ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت

ملتان

رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
جنوری ۱۹۹۳ء

رأس الحكمة مخافة الله

دانائی کی بنیاد اللہ کا خوف ہے

(حدیث)

افکارِ احرار

سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں حق پر تھے

آج اہل سنت کی اکثر کتابوں میں یہ الفاظ آپ کو ملیں گے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی جنگوں اور تنازعات میں سیدنا علیؓ حق پر تھے، اور سیدنا معاویہؓ خطاء پر۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ایک زمانہ میں جب مسندِ اقتدار بنو عباس، آل بویہ اور دوسرے ایسے لوگوں کے ہاتھ آئی تو انہوں نے تاریخ کی جھوٹی اور سراپا کذب روایات کے زور پر یہ عقیدہ ایجاد کروایا کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی جنگوں میں اوّل الذکر راہِ حق پر تھے اور ثانی الذکر راہِ خطاء پر۔ اس عقیدہ کی ترویج میں تفتازانی اور سیوطی جیسے کئی بزرگوں کا ہاتھ بھی نظر آتا ہے۔

یہ عقیدہ متقدمین اہل سنت کا نہ تھا بلکہ ان کے نزدیک اسلام کے یہ دونوں بزرگ راہِ صواب پر تھے۔ کیونکہ دونوں کا مؤقف اپنے اپنے مقام پر صحیح تھا، اور سیدنا علیؓ کو راہِ ثواب اور سیدنا معاویہؓ کو راہِ خطاء پر سمجھنا "تشیع" تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

فالتشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علیؓ علی عثمان۔ وان علیاً کان مصیباً فی حروبہ وان مخالفہ مخطئ مع تقدیم الشیخین وتفضیلهما۔

متقدمین کے نزدیک اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ سیدنا علیؓ، سیدنا عثمانؓ سے افضل تھے اور جنگوں میں سیدنا علیؓ راہِ صواب پر تھے۔ اور آپ کے مخالفین (سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھی) راہِ خطاء پر تھے۔ تشیّع کہلاتا تھا۔ باوجود حضرات شیخین (سیدنا ابوبکرؓ اور عمرؓ) کو افضل اور مقدم سمجھنے کے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۹۴)

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت مُلتان

Regd No. L - 8755

رجب المرجب ۱۴۱۳ھ جنوری ۱۹۹۳ء جلد ۴ شمارہ ۱ قیمت فی پرچہ =/۸ روپے

سرپرست اکابر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہٗ

حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہٗ

مجلسِ ادارت

رئیس التحریر:

سید عطاء المحسن بُخاری

مُدیر مسئول:

سید محمد کفیل بُخاری

رفقاءِ فکر

مولانا محمد عبدالحق مدظلہٗ

حکیم محمود احمد ظفر مدظلہٗ

ذوالکفل بخاری ◉ قمر الحسنین

خادم حسین ◉ ابوسفیان تائب

محمد عمر فاروق ◉ عبداللطیف خالد

سید خالد مسعود گیلانی

زرِ تعاون سالانہ

◎ اندرونِ مُلک =/۱۰۰ روپے ◎ بیرونِ مُلک =/۱۰۰۰ روپے پاکستانی

رابطہ

خط و کتابت: دار بنی ھاشم — مہربان کالونی — مُلتان — فون ۲۸۱۳۷

ترجمانِ تحفظِ ختمِ نبوۃ شعبۂ تبلیغ عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل احمد اختر مطبع: تشکیل پرنٹرز مقام اشاعت: دار بنی ہاشم ملتان

آئینہ

دل کی بات	مُدیر	۳
پیپلز پارٹی کی سلور جوبلی	سید عطاء المحسن بخاری	۶
نعت	جناب حزیں صدیقی	۱۰
منقبت سیدنا صدیق اکبرؓ	جناب عاصی کرنالی	۱۱
سیدنا خالد بن یزیدؒ	مولانا قاضی شمس الدینؒ	۱۳
عجائبات مرزا	مولانا لال حسین اخترؒ	۳۵
عصر حاضر میں استاذ شاگرد کا رشتہ	پروفیسر سید ابوبکر غزنوی مرحوم	۴۲
(نظم)	علامہ حسین میر کاشمیری	۴۶
علیہ السلام، رضی اللہ عنہ، رحمۃ اللہ علیہ کا استعمال	غلام مصطفیٰ وفائی	۴۷
سیدنا امیر حمزہؓ	شاہ بلیغ الدین	۵۱
حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے فرمایا	مولانا محمد اسحٰق سلیمی	۵۴
چودھری افضل حقؒ کا ادبی مقام	عبدالرحمٰن اصلاحی	۵۵

عیسائیوں کے سالِ نو کے آغاز پر اُنکی ہدایت کی دُعاء کیجیئے۔ —— اِدارہ

دِل کی بات

انتخابات! جُداگانہ یا مخلوط

پاکستان پیپلز پارٹی کی شریک چیئرپرسن مسز بے نظیر بھٹو نے ایک بار پھر اپنے اِس عزم کو بالجزم اور بالجہر دہرایا ہے کہ پی پی پی (بلکہ پی ڈی اے) پاکستان میں جداگانہ طریق انتخاب کے خاتمہ کے لئے اپنی جدوجہد کو کامیاب بنانے کی ہر ممکن سعی کرے گی۔ ۸۸ء اور ۹۰ء کے انتخابات کے موقعہ پر اس منشوری نکتہ کا اخفاء شاید تقیہ اور کتمان کے "زریں" ایرانی اصولوں پر عمل درآمد کا حصہ تھا کہ جنہیں جمہوریت کی رو سے حکمتِ عملی کا مقام و مرتبہ مِل چکا ہے۔ اور اب یکبارگی مخلوط طریقۂ انتخاب کا "نعرۂ ہفوات" باآوازِ بلند" لگانے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ

حقیقت ہو رہی ہے بے نقاب آہستہ آہستہ

اور وہ حقیقت یہی ہے کہ اس مملکت خداداد کو قائداعظم صاحب والی اسلامی جمہوریہ پاکستان بننا ہے اور نہ قائد عوام صاحب والی عوامی جمہوریہ پاکستان! اب تو اسے نئے عمرانی معاہدے (نیو سوشل کنٹریکٹ) کے راستے ترقی کرنا ہے۔ ایک وحدت سے کئی وحدتوں اور ایک ریاست سے کئی ریاستوں میں تبدیل ہونا ہے۔ کیونکہ نئے عالمی منظر (نیو ورلڈ آرڈر) کی تکمیل و تشکیل کا یہی تقاضا ہے اور دنیا بھر کے ناقص و کامل بے ضمیر و بے نظیر رہنماؤں کے اکلوتے اور چہیتے داتا اور ان داتا کی مرضی اور منشا بھی یہی ہے۔" مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ"!

ہمیں نہیں معلوم کہ پاکستان کے جملہ پی پی مخالف سیاسی و مذہبی عناصر بی بی کے اس تازہ ویاکھیان کو کتنا وزن، کتنی توجہ دے رہے ہیں۔ یا کس انداز میں اس کا تجزیہ کر رہے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابھی ادھر توجہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئی ہو، یا اس کی ضرورت ہی محسوس نہ کی گئی ہو۔ لیکن اب یہ بات گویا نوشتۂ دیوار ہے کہ پاکستان میں طبقاتی مفادات کی جنگ اب ایک نئے اور اہم مرحلے میں داخل ہو رہی ہے اور مذہب، مسلک، علاقہ، زبان اور نسل کے نام پر مصروفِ استحصال جمہوری کوچہ گردوں میں سیکولرازم کے خارش زدگان ایک نئے انداز اور ایک نئے عنوان سے نمایاں ہو رہے ہیں۔ مخلوط طریق انتخاب کے لئے نعرہ زن مخلوق کے چہرے غور سے دیکھئے۔ ان میں کچھ بھی نیا نہیں۔ ہاں بہروپ اور سوانگ ضرور نیا ہے۔ یہ پرانے شکاریوں کا نیا جال ہے۔ لیکن ایسا نظر آتا ہے کہ اب کے ان کی تیاری اپنے تئیں بہت زوردار کی ہے۔

یاد رکھئے! اگر مخلوط طریق انتخاب کی طرف کوئی سی پیش رفت بھی ہو جاتی ہے تو اس کا مطلب اس کے علاوہ کوئی نہ ہوگا کہ ہم نے اپنے قومی، ملّی، دینی اور مملکتی تشخص کو جمہوریت کی قربان گاہ پر، سیکولرازم کا ورد کرتے ہوئے ذبح کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔ ہمارا نظریۂ پاکستان، ہماری قرارداد مقاصد اور ہمارا ۷۳ء کا (نام نہاد) اسلامی جمہوری وفاقی آئین اور سب سے بڑھ کر یہ پاکستان، ستم رسیدہ پاکستان —— یہ سب کچھ ویسا نہ رہے گا جیسا آج ہمیں نظر آتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے یا جیسا ہم اسے دیکھنا، محسوس کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں ہم ایک اور ڈھاکہ ڈوبتے دیکھیں گے، ایک بہت بڑا "ڈھاکہ" جو ہمارے وجود کا، ہمارے ہونے کا نام ہے۔ پھر اس سقوط، انہدام اور جانکنی سے عبارت شکست پر لنگوٹی پوش لالے ہی شاداں نہیں ہوں گے کہ جنہوں نے ۷۱ء میں دو قومی نظریہ دریا بُرد کر دکھایا تھا بلکہ وہ دُنی الطبع بوزنا صورت آقا بھی بہت فرحاں ہوگا جس کے بوزنا سیرت ٹوڈی پٹھے آج اس عذابِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں کہ جس کے نازل ہونے پر (خدانخواستہ خدانخواستہ)

وطن اک اور ماضی کی گپھا میں ڈوب جائے گا۔

ع

شناختی کارڈ کا مذہبی خانہ

وہی ہوا جس کا ڈر تھا دینی جماعتوں کا باہمی افتراق و مخالفت! اس کا منطقی نتیجہ ہی یہ ہے کوئی ایک دینی جماعت قوت مؤثرہ نہیں ہے کہ جس کے مطالبات وعزائم کے سامنے ارباب بست وکشاد دل کی کہیں۔ ان حکمرانوں کی لغت میں کہہ مکرنی کا نام ہی جمہوریت ہے ، اور آئی جے آئی کی حکومت جو دراصل صرف مسلم لیگ کی حکومت ہے مسلسل اسی فعل بد میں مبتلا ہے ان پر اعتماد گناہ اور ان کا عذر گناہ بدتر از گناہ!

ہم نے تو دینی بزرگوں کو یہ مانا کہ ... تھا ... ای روز تھا کا تھا۔ جب ... آ ... ہیں ... ستے علماء اب بھی مل بیٹھیں اور اپنی اپنی سیاسی مصلحتوں سے بلند ہو کر ... درد کا درماں ہو جائیں!

مرزا طاہر کا نیا شقلہ

مرزا طاہر نے ہندو مشرکوں اور سکھوں کو خوش کرنے کے لئے ... وعدہ ... ہیں ... اور سکھوں کو اسلامی فرقہ کہا ہے۔

عام مسلمانوں اور علماء کو گالی دینا غلام احمد کادیانی اور اس کے ماننے والوں کی ریت ہے ۔ مرزا طاہر نے اس ریت کو احسن طریقہ سے نبھایا ہے ۔ کفر ملت واحدہ ہے ، ہندو سکھ ، یہودی ، عیسائی اور مرزائی یقیناً ایک ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں ہمیں ان کے بھائی چارے پر کوئی اعتراض نہیں ، کوئی مسلمان اپنے آپ کو ان مذکورہ کافروں کا بھائی کہنے کے لئے تیار نہیں ۔ مرزا طاہر لیسے لغو بیان دے کر مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے سکتا ، مسلمان مرزائیوں کو پہلے بھی کافر سمجھتا تھا اب بھی کافر سمجھتا ہے اور آئندہ بھی کافر سمجھ کر ان سے کافروں جیسا سلوک کرے گا۔ پاکستان میں تمام کافر اقلیتوں کے ساتھ اعلیٰ سلوک کیا جاتا ہے ، قادیانیوں کا یہ پروپیگنڈا کہ اقلیتوں کے ساتھ حسن سلوک نہیں ہوتا جھوٹ کا پلندہ ہے ، پاکستان میں مرزائی اب بھی بعض کلیدی اسامیوں پر قابض ہیں جو ان کے اقلیتی حقوق سے زیادہ حصہ ہے اور جس کے وہ ہرگز مستحق نہیں کیونکہ وہ دھوکہ باز ہیں نام اسلام کا لیتے ہیں اور کام کفر کا کرتے ہیں ۔ بھارت میں ہونے والے ان کے حالیہ سالانہ اجتماع کی روداد اور مرزا طاہر کی تازہ تقریر بھارت نوازی اور اسلام دشمنی کا کھلا ثبوت ہے ۔

لانگ مارچ

بے نظیر نے یہ سمجھا کہ وہ چونکہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کی دختر بلند اختر ہیں اس لئے اور صرف اسی لئے عوام بینظیر کی زمانہ قیادت میں جم غفیر بن جائیں گے اور اپنی "سٹریٹ پاور" کے ذریعہ وہ حکومت کو ہلا دیں گی لیکن وہ اپنی ذات کے بارے میں تجزیہ نہ کر سکیں اور نتیجہ برعکس نکلا ، جتنے خوفناک اور دہشتناک ان کے بیانات ہوتے تھے اتنا خوف اور دہشت ان کے پرستاروں میں نہ تھا وہ سندھ کے ہندوؤں ، امریکہ کے یہودیوں پاکستان کے عیسائیوں اور مرزائیوں اور ایران کے رافضیوں کی اس چوکھی واردات اور مشترکہ شب خون کے بعد بھی کچھ کر سکتے تھے ۔ اور ہوا یوں کہ شمع اور پروانوں کو جلد احساس ہو گیا کہ درست نتائج برآمد ہونے کی وجہ غلط اسیسمنٹ ہے جو بے نظیر صاحبہ کی سیاسی خطا ہے اور سیاسی خطائیں گن کے بتلائی جا سکتی ہیں مثلاً

(۱) انہوں نے دینی رہنماؤں کو ماضی میں اچھی طرح لتاڑا لیکن وہ فہمی گزیدہ اس دفعہ قریب نہ پھٹکے اور ماحول میں سمندر کا سا سکوت رہا۔

(۲) انہوں نے سیاسی بزرگوں اور بزرجمہروں کی شرکت کے بغیر آگے بڑھنا چاہا مگر انہوں نے بڑھنے نہ دیا ، اور ان کے سیاسی مشرب کے شرکا ء تماشا دیکھتے رہے ۔ (۳) انہوں نے "قائد عوام" کے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے نکال باہر کیا ۔ (۴) بیرونی اثرات مکمل طور پر میاں نواز شریف کو چت نہ کر سکے وہ کچھ لرزے ضرور مگر وہ بھی جگر رکھتے ہیں ۔

بابری مسجد

جو مسجد مسلمانوں کے اجتماعی عمل کا انتظار پچاس برس سے بند پڑی تھی اس مسجد ویران کو ہندوؤں نے مسمار کر دیا اور یہ نتیجہ ہے یہودیوں اور عیسائیوں کی تہذیب قبول کرنے کا ، ان کے افکار و خیالات سے موافقت کا ان کا نظام ریاست قبول کرنے کا ! ایک جمہوری وسیکولر ملک میں اور کیا ہو گا ، کیا ہندو ہماری مساجد کو آباد کریں گے ؟ مسلمان نے سینما ، کلب ، پب اور آوارگی کو قبول کیا تو مساجد گریں گی نہیں تو اور کیا ہو گا ؟ ہندوؤں نے بابری مسجد گرائی ہم نے مندر گرا دیئے ، ہندوؤں نے ساڑھے تین ہزار مساجد اور گرا دیں ، سیکڑوں مسلمان قتل کر دیئے نتیجہ کیا نکلا ! ہر جماعت نے اس حادثہ کو ایکسپلائٹ کیا بڑھ چڑھ کر جوشیلے اور فتنہ انگیز بیانات داغے گئے ، آتش نفسی کا مظاہرہ ہوا ، شہید گنج کی تاریخ دہرائی گئی پاکستانی مظاہرین نے مسجد شہید گنج پر بھی

(بقیہ ۱۰ پر دیکھیں)

انا للہ وانا الیہ راجعون

قارئین کرام! گزشتہ ماہ یکے بعد دیگرے ہمارے حلقہ احباب کے بہت سے بزرگ اور دوست آخرت کو سدھار گئے۔
قانون حق ہے کہ ہر ذی روح کو اسی سفر کے ذریعے منزل تک پہنچنا ہے۔ جانے والوں کی جدائی کا غم فطری ہے۔ تاہم اس آرزو پر جی رہے ہیں کہ ایک روز ہمیں بھی اُن سے جا ملنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے لئے یہ سفر آسان فرمائے اور اپنی رضا نصیب فرمائے (آمین) جو بزرگ اور احباب ہم سے رخصت ہوئے ذیل میں اجمالاً ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

جانباز مرزا:

مجلس احرار اسلام کے بنیادی کارکن، تحریک آزادی کے مجاہد، تقریباً پندرہ کتابوں کے مصنف، آزادی کے لئے پندرہ سال قید، ایک سچا مسلمان، آخر وقت تک اپنے اسلاف کے راستے پر استقامت کے ساتھ چلتے رہے۔ انہوں نے آزادی کی تاریخ کو جن حالات میں لکھا وہ انہی کا حوصلہ تھا۔ غربت و افلاس اُن کے عزم کو شکست نہ دے سکے۔ تقریباً اسی برس کی عمر میں انتقال کیا۔

سید سعید شاہ صاحب:

مولانا سید عطاء المحسن بخاری کے رشتہ میں ماموں تھے۔ نہایت خوش اخلاق اور ملنسار تھے۔ ذوقِ مطالعہ بہت بلند تھا۔ پابند صوم صلوٰۃ اور محبت و شرافت کا پیکر تھے۔ خاندان کے ان بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے ہمیشہ چھوٹوں کو اپنی شفقت سے نوازا۔ ان کی شفقتیں اور محبتیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔

مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی:

دارالعلوم شہابیہ سیالکوٹ کے مدیر، متبحر عالم دین، تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں نمایاں کردار ادا کیا اور قید ہوئے۔ مختلف علمی و تحقیقی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان دنوں قرآن کریم کی تفسیر لکھ رہے تھے۔ صحیح معنوں میں دین کے مبلغ اور عالم باعمل تھے۔ حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ سے بے مثال محبت تھی۔

مولانا حامد الانصاری غازی:

ہند و پاک کے مشہور عالم دین، دارالعلوم دیوبند سے منسلک رہے اور تدریسی و تصنیفی خدمات انجام دیں۔ "اسلام کا نظام حکومت" ان کی معرکۃ الآرا کتاب ہے۔ آپ صحیح معنوں میں اپنے اسلاف علماء حق کی یادگار تھے۔ گزشتہ ماہ بمبئی میں انتقال ہوا۔

الطاف پرواز:

معروف شاعر، صحافی اور ادیب، کسی زمانہ میں مجلس احرار کے ترجمان روزنامہ آزاد کے ایڈیٹر رہے۔ آزادی کی تحریک میں انتھک کارکن کی حیثیت سے کام کیا۔ حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ ان دنوں اسلام آباد سے بچوں کے لئے "نئے چراغ" کے نام سے ایک رسالہ نکال رہے تھے۔ ان کی صحافتی و ادبی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ (بقیہ صـ۱۲ پر)

سید عطاء المحسن بخاری

جائزہ

پیپلز پارٹی کی سلور جوبلی

پیپلز پارٹی اپنے قیام سے اب تک پچیس برس پورے ہونے پر سلور جوبلی کا جشن منا رہی ہے۔ جیالوں کا موج میلہ ہے۔ مصنوعی بہار، میک اپ کا نکھار، اور مرحوم اقتدار پیپلز پارٹی اپنے ورثہ پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ پاکستان کا ملٹی کلچرل گروپ لبنی بدرنگی کو بوقلمونی کا نام دے یا کلر میچنگ کی جدوجہد، انہیں سجتا ہے۔ اس کا انہیں حق ہے کہ وہ جمہوریت کے دعویدار ہیں۔ اس معرکۂ رنگ و بو میں غریب عوام آخری صف میں بھی دکھائی نہیں دیئے جن کے نام پر اس جماعت کا قیام عمل میں آیا اور جسکے لئے اس طبقہ کے لوگوں نے بیش بہا قربانیاں دیں۔ اس سرزمین کا المیہ ہی یہ ہے کہ "جنکی خاطر بہار آئی وہی شگوفے کھٹک رہے ہیں تمہاری آنکھوں میں خار بن کر"۔ پیپلز پارٹی "معاہدۂ تاشقند" کے منفی تاثر کی تخلیق ہے۔ اس کے اس منفی تاثر کے مزاج نے اسے سوشلزم کی گود میں پھینک دیا۔ پاکستان بھر کے سوشلسٹ یہ سمجھ بیٹھے "شاید کہ بہار آئی"۔ مگر جلد ہی نوابوں، رئیسوں، جاگیرداروں اور وڈیروں کے اقتدار نے ان کو خزاں آشنا کر دیا وہ ایک ایک کر کے پیپلز پارٹی سے الگ ہو گئے اور پاکستان میں بائیں بازو کی مختلف پارٹیوں میں پناہ گیر ہوئے۔ پیپلز پارٹی کو بڑا دھکا لگا۔ خصوصاً جب بھٹو صاحب نے قذافی سٹیڈیم میں اعلان فرمایا کہ: "ہم پاکستان میں رشیا کا سوشلزم نہیں چاہتے بلکہ ہم تو مغربی جرمنی جیسا سوشلزم چاہتے ہیں" تو "بقیتہ السیف" سوشلسٹوں کی رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔ تمناؤں اور آرزوؤں کا آشیاں جس تیزی سے تعمیر ہوا تھا اس سے ہزار گنا سپیڈ سے باٹم پر آرہا۔ اور وہ اس فریب کا ماتم کرتے ہوئے کنج عافیت میں پناہ گیر ہوئے۔ تیسرا طبقہ جو گھات لگائے چیتے کی طرح دبکا بیٹھا تھا وہ مختاری چالوں سے آراستہ ہو کر میدان میں خم ٹھونک کر اتر آیا اور یہ نعرہ لگایا کہ قائد اعظم مسلک جعفری رکھتے تھے۔ اور قائد عوام بھی ہمارے ہیں۔ اور پاکستان کے تمام جعفری یا علی مدد کہتے ہوئے پیپلز پارٹی کا بازوئے زنجیر زن بن گئے۔ مگر انہی دنوں جناب بھٹو کی فوج سے ان بن ہو گئی۔ جناب بھٹو کسی فوجی کی مونچھوں سے اپنے بوٹ کے تسمے بنانے کے فقرے چست کرتے رہے۔ اور،

نشیمنوں پہ بجلیوں کا کارواں گزر گیا

راکھ کے اس ڈھیر میں شعلہ بھی تھا اور چنگاری بھی سلگ رہی تھی۔ شعلہ، افغانستان میں شعلۂ جوالہ بنا لیکن جلد ہی باپ کی جاگیر سے حصہ نہ ملے کے صدمہ کی تاب نہ لاتے ہوئے شعلۂ خاکستر ہو گیا "الذوالفقار" اپنے زخم چاٹنے لگی حافظ الاسد، بھارت اور ایران بھی اس کے زخم مندمل نہ کر سکے۔

میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی

چنگاری نے سلگنے میں گیارہ برس لگائے۔ برطانیہ امریکہ اور اس کے ذلہ رباؤں نے بے نظیر صاحبہ کو پاکستان کے مقدر سے کھیلنے کا موقع دیا جو محترمہ نے انتقامی سیاست کی بھینٹ چڑھا دیا۔ ورکر، جو نت نئے خواب دیکھتے ہیں پھر سٹریٹ ورکر بن کر یہ گیت گاتے ہوئے سنے گئے:

وہی میری کم نصیبی وہی تیری بے نیازی
ناچسرہ عنابی نا آنسوئے پیازی

محترمہ کی یہ غلط فہمی شاید ازمنۂ وسطیٰ کی تحریکوں کا مطالعہ کرنے سے بڑھی کہ سٹریٹ ورکر اس دور میں بھی انقلاب لا سکتا ہے حالانکہ یہ نظریہ دم توڑ چکا ہے۔ خصوصاً رشیا کے کرچی کرچی ہونے کے بعد تو یہ بہت فرسودہ طریقِ کار بن چکا۔ اب تو افتخار گیلانی صاحب یا اعتزاز صاحب راگ بلاول میں آدھی رات کے بعد انقلاب گا سکتے ہیں۔ انقلاب لا نہیں سکتے۔

انقلاب تو صنعتوں کے عام ہونے سے آئے گا۔ انقلاب دولت سے آئے گا۔ اور زمیندار اتنی دولت نہیں دے سکتا جتنی صنعتکار دے سکتا ہے۔ زمانہ اپنی روش بہت بدل چکا ہے، دنیا سمٹ کے رہ گئی ہے، سیٹلائٹ نے ہمیں بہت کچھ دکھا دیا ہے۔ خودمرکے غیروں کی حکومتیں قائم کرنا اب ورکروں کے بس میں نہیں۔ مسائل زندگی اتنے گھمبیر ہوگئے ہیں کہ عام آدمی اب امن اور چین کی زندگی چاہتا ہے۔ جو اس سیاسی غل غپاڑے میں نہیں مل سکتی اور تجربہ اس پر شاہد ہے کہ پیپلز پارٹی کو دو دفعہ حکومت مل چکی ہے مگر"

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

البتہ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت کی کچھ یادگاریں محفوظ ہیں۔

۱۔ پہلے ایوب خاں کو ڈیڈی کہا پھر اسے ایوب کتا کہا گیا۔
۲۔ شیخ مجیب الرحمن الیکشن جیت کر اُبھر اگر اسے دبا دیا گیا۔
۳۔ ''ادھر ہم اُدھر تم'' کا دیا کھیان، آدھے پاکستان کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا تو مجیب الرحمن پھر ابھرے اور قائد اعظم کا احسان برہم پتر میں پھونک دیا بنگلہ دیش ایک حقیقت بنا دیا گیا۔
۴۔ پولینڈ کی پیش کردہ قرارداد پھاڑ ڈالی۔
۵۔ بھٹو صاحب اس حال میں نئے پاکستان میں تشریف لائے کہ ۹۰ ہزار پاکستانی فوج ہندوؤں کے رحم و کرم پر تھی۔ آتے ہی اقتدار کے سنگھاسن پر براجمان ہوگئے۔ اور فوج کے وقار کو مجروح کرنے کے لئے منصوبہ بندی کے تحت جنگی قیدیوں کی فلمیں دکھائی گئیں۔
۶۔ نئے پاکستان کے وزیر اعظم نے غریب عوام پر پشتینی نواب، جاگیردار اور سفاک وڈیرے مسلط کر دیئے۔
۷۔ صنعتوں کو قومیایا گیا اور جن لوگوں سے ''توقعات'' پوری نہ ہوئیں ان کا ٹینٹوا دبا دیا۔ یوں غریب عوام کا رانجھا راضی کر دیا گیا۔
۸۔ عورت کو بے جمالو کی تھاپ پر نچوایا گیا۔ پیپلز پارٹی ایک زبردست ملٹی کلچرل پارٹی بن گئی۔
۹۔ علماء کا تمسخر اڑایا گیا۔ حتیٰ کہ مفتی محمود صاحب مرحوم کو قومی اسمبلی سے اٹھا کر باہر پھینک دیا گیا اور اس موقع پر شلوار اتارنے کی کوشش بھی کی گئی۔ جی بھر کے بے عزتی کی گئی۔ حالانکہ وہ پی پی کے حلیف بھی رہ چکے تھے۔
۱۰۔ مخالفوں کا عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ حکومت کی شہ پر فیصل آباد کے ایک صنعتکار کو چمنی کے ساتھ

باندھ کر ہلاک کر دیا گیا۔

۱۱۔ سندھ میں لسانی فساد کرایا گیا۔ غیر سندھیوں کو مہاجر کہہ کر خوب مارا گیا۔ سندھ بدر کیا گیا۔ مال واسباب لوٹا گیا، عصمتیں تار تار کی گئیں۔

۱۲۔ ولی خان کی حریفانہ سیاست سے عاجز آکر بھٹو صاحب نے لیاقت باغ کے جلسے سے لاشیں اٹھانے سے بھی دریغ نہ کیا۔

۱۳۔ پنجاب سے ڈاکٹر نذر خواجہ محمد رفیق کو اور نواب محمد احمد خان کو گولی سے ہمیشہ کے لئے سلا دیا گیا۔ بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر مولوی شمس الدین کو شہید کیا گیا۔ سرحد میں عبد الصمد اچکزئی کو قتل کیا گیا۔

تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشا ایست

۱۴۔ پیپلز پارٹی کے جیالے ہر مرکزی مقام پر شراب، زنا، جواء، اور اغواء برائے زنا کے اعمال خبیثہ میں مبتلا ہو گئے ابلیس ننگا ناچنے لگا۔ اور زوال شروع ہو گیا۔ قومی اتحاد کی تحریک چلی۔ نظام مصطفیٰ کا نعرہ لگا۔ مظالم نے مہیب جبڑے کھولے، جوانان رعنا قربان ہوئے، نظام مصطفیٰ کے نعرے پر جان وار گئے زندگی بھر کی متاع ہار گئے۔ خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ ہمالہ نہ رویا مگر شاہی مسجد کے مینار راوی کے بل کھاتے ہوئے پانی میں ڈوب ڈوب گئے! عصمتیں لٹیں، داڑھیاں نوچی گئیں، علماء کو گھسیٹا گیا، طلباء کو مسجدوں کی چھتوں سے اٹھا کر زمین پر دے مارا گیا، پیپلز پارٹی نے خون کی ہولی کھیلی، حسن معصوم کو نوچا، جیالوں نے معصوموں کی لاشوں کو بھنبھوڑا، مکانوں کو آگ لگائی، دکانیں لوٹیں، عزتیں پامال کیں، آبادیاں ویران کیں، سیاسی و دینی کارکنوں پر ڈی پی آر عام کر دی۔ غنڈہ ایکٹ کے تحت مقدمات بنائے گئے، جیلوں میں ڈالا گیا۔۔۔۔!

یہ پیپلز پارٹی کی حکومت ہے، غریب عوام کا اقتدار ہے، انسان دوستوں کا دور ہے۔۔۔۔۔۔!

پردہ گرتا ہے۔ بھٹو صاحب پھانسی پا گئے۔ مارشل لاء آیا جس کی مونچھوں سے بوٹ کے تسمے بنانے کی آرزوئیں مچلتی تھیں وہ آیا اور گیارہ برس مسلسل اصلاحات کیں لیکن اسلام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ آرزوئیں، تمنائیں اور خواہشیں حسرتوں کا مزار بنی کسی آنے والے کا راہ تکا کیں۔ اسی دورانیے میں آشیاں جل گیا، دل ڈوب گیا، فضا تاریک ہو گئی، مستقبل نابینا ہو گیا "چراغوں کو بجھایا جا رہا ہے" دُور کسی ویرانے میں نعشیں جلتی رہیں اسلم بیگ صاحب اسلام آباد کی رونقیں نہ چھوڑ سکے ان کی زندگی مترنم ہو گئی وہ جھوم جھوم گئے۔ لیکن لاکھوں دماغ گھوم گھوم گئے۔ میں نے تب بھی خطبۂ جمعہ میں کہا تھا آج بھی کہتا ہوں یہ پاکستان کا دوسرا لیاقت علی ہے۔ شہید ملت، شہید جہاد افغانستان۔ لیکن شہید تیغ ابن سبا بھی ہے۔ اشتری حیلہ گر عثمان بن عفانؓ کا خون پی گئے۔ یہ تو ضیاء الحق تھے۔ حق مغفرت کرے۔ عجیب آدمی تھے جب تک جیئے ٹھاٹھ سے جیئے۔ اور مرے تو صنم آباد میں شادیانے بجے۔ جمہوریت کی بین بجنے لگی اور اس کی دھنوں پر ویمنز ونگ کا بریک ڈانس شروع ہو گیا۔ بے نظیر صاحبہ اپنے والد صاحب کی طرح سوء اتفاق سے جمہوری جنگ جیت گئیں۔ لیکن مسلم لیگ خواب شیریں سے بیدار کر گئیں۔ بے نظیر صاحبہ نے اپنے "سنہری" دور اقتدار میں:

۱۔ کشمیر کا مسئلہ سارک کانفرنس میں راجیو آنجہانی کو دعوت دے کر آنکھ او جھل پہاڑ او جھل کر دیا۔

۲- نیوکلیئر کے نہایت حساس مسئلہ پر امریکہ بہادر کی مرضیوں کی تکمیل کی جس کا انداز نہایت خوبصورت تھا۔

۳- پاکستان کو معاشی و اقتصادی طور پر صف آخری کا ممبر بنا دیا۔ بنگلہ دیش، سکم بھوٹان، پاکستان، ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز۔

۴- پیپلز پارٹی کے اس دور حکومت میں ایک متفقہ آئین کو صرف اس لئے ختم کرنے کی مذموم کوشش کی گئی کہ اس میں قرآن و سنت کی بالادستی جزوِ آئین بنا دی گئی تھی۔

۵- اپنے مخالفین کو اقتصادی انتقام کا نشانہ بنایا گیا۔

۶- مذہب بیزاری، دینی حلقوں کا استہزاء اور فسق و فجور عام ہوا۔

۷- ابنِ سباء و ابن علقمی کی سیاسی اولاد لنگر لنگوٹ کس کے اپنے خمینی عزائم کی تکمیل کے لئے پھر پیپلز پارٹی کے سیکولرازم میں چھپ گئے۔ اور جنگ جملِ والا شبخوں مارنے کے لئے گھات میں بیٹھ گئے۔ اور اب پیپلز پارٹی مظلوموں کے حلقے میں شامل ہونے کے لئے لانگ مارچ کے سبائی طریقوں پر چل نکلی ہے۔ مہربانی ہے علماء کی جو اس موقع پر آندھی کے ساتھ نہیں تھے ورنہ ۷۰ء اور ۸۸ء والا حادثہ پیش آسکتا تھا۔ مگر کیا کیا جائے اس جمہوریت بی بی کا جس نے علماء کو اپنے دامِ تزویر میں پھر پھانس لیا۔ کوئی سرحد میں وزارت اعلیٰ کے لئے پی پی سے جائز تعلقات استوار کرنے کی فکر میں ہے تو کسی نے احمد علی لاہوری کی گدی پر بے نظیر کو بٹھا کر اس خانقاہ کے وقار میں قابلِ ذکر اضافہ کیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

اب بھی اقتدار کی چولیں ڈھیلی ہو سکتی ہیں اور دینی کارکنوں کا سر اونچا ہو سکتا ہے۔ اگر دینی طبقے متحد ہو جائیں اور صرف اور صرف دین کے استحکام کے لئے جدوجہد کریں۔ ہمارے خیال میں موجودہ عشرہ پاکستان کے دینی حلقوں کے لئے آخری موقع ہے۔

آنچہ شرط بلاغ است باتو می تویم
ای ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

آپ کے عطیات

محاسبہ مرزائیت و رافضیت کی جدوجہد کو تیز کرنے کے لئے اپنی زکوٰۃ، صدقات اور عطیات اپنی جماعت مجلسِ احرار اسلام کو دیجئے۔

بذریعہ منی آرڈر: سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

بذریعہ بنک ڈرافٹ یا چیک = اکاؤنٹ نمبر ۲۹۹۳۲ حبیب بنک حسین آگاہی۔ ملتان۔

جناب حزین صدیقی

نعت

اچھے رہے وہ لوگ جہانِ خراب میں
جو آگئے پناہ رسالتمآب ﷺ میں

صحابہؓ ہیں باریاب خدا کی جناب میں
کوئی نہیں کلام ترے انتخاب میں

الجھاؤ کیا ہے عرش رسا کے نصاب میں
کیوں لوگ الجھ رہے ہیں سوال و جواب میں

کیا وقت آگیا ہے کہ شب زندہ دار بھی
بیدار ساعتوں کو گنواتے ہیں خواب میں

تمیز اٹھ گئی ہے حلال و حرام کی
کوئی نہیں ہے فرق گناہ و ثواب میں

پھر شور نسل و رنگ و زباں ہے چار سو
پھر ہے نگار خانۂ فطرت عذاب میں

پگڈنڈیوں میں ہوگیا تقسیم کارواں
منزل ہے گم فریب نظر کے نقاب میں

اے ابر التفات خدا کے لئے برس
تحلیل ہو رہے ہیں مسافر سراب میں

(بقیہ اداریہ)

قبضہ کیا۔ گوردوارہ گرایا گیا۔ مگر اس جوش و خروش کا مسلمان قوم کو کیا ثمر ملا؟ پاکستان میں مندر دوبارہ تعمیر کرانے پڑے۔ ان میں آباد ہزاروں مسلمان اجڑ گئے۔ قبضہ گروپ نے قبضے کئے۔ بھارت میں مسجدیں نہیں بنیں۔ مسلمان جو شہید کر دیے ان کا کچھ نہ بنا اے کاش! ہم سوچنے سمجھنے اور تدبیر سے کام لینے کے عادی ہو جائیں اور اے کاش ہمارے جن سنگھی سیاست دان حادثات پر اپنے اقتدار کا تخت نہ بچھائیں۔

جناب عاصی کرنالی

بربارگاہِ امیرالمؤمنین خلیفۂ راشد بلافصلِ رسول

سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ

اے شبِ کونین ایک ایسا بھی منظر چاہیے
ارضِ مکہ پر قرانِ ماہ و اختر چاہیے

جو رفاقت کو نئے معنیٰ نیا مفہوم دے
ایسا مونس، ایسا مخلص، ایسا یاور چاہیے

آئنے کو کتنے جوہر دینے والے نے دیئے
آئنے کا عکس بھی کتنا منور چاہیے

جب نبوت آگئی تکمیل حجت ہوگئی
اب مگر امت کو اک صدیقِ اکبر چاہیے

آبرو بڑھ جائے غارِ ثور کی مثلِ صدف
ایک گوہر چاہیے ایک آبِ گوہر چاہیے

حسن محوِ خواب ہے اور عشق سرشارِ جمال
اور کیا نعمت کسی کو اس کے بڑھ کر چاہیے

آنکھ محوِ دید ہوگی، دل میں ہوگا یہ خیال
ایسی فرصت چاہیے اور زندگی بھر چاہیے

وہ شبِ معراج سے لوٹیں، یہ صدقنا کہیں
ایسا دل ایسا یقین اللہ اکبر چاہیے

"گھر میں کیا چھوڑا ہے، سب کچھ تو یہیں لے آئے ہو"
"آپ کی چشمِ عنایت بندہ پرور چاہیے"

زندگی یا موت دونوں میں وہی اعزازِ قرب
ایسی قسمت چاہیے، ایسا مقدر چاہیے

آپ کا اعلانِ منشورِ خلافت واہ واہ
ایسا ہی خطبہ سرِ محراب و منبر چاہیے

"اے امیرانِ ضعیف و اے غریبانِ قوی
عدل کی نظروں میں ہر انساں برابر چاہیئے
کج روی مجھ میں اگر پاؤ، دکھاؤ راہِ راست"
ہاں یہی طرزِ عمل شاہوں کا رہبر چاہیئے
فتنہ ہائے تازہ وارد کو مٹانے کے لئے
خاصہ خاصانِ درگاہِ پیمبر چاہیئے
ہر بتِ باطل کو ریزہ ریزہ کرنے کے لئے
تیری غیرت، تیرا بازوئے دلاور چاہیئے
ان کے احسانات پیہم کا مسلسل شکریہ
تا قیامت ہر مسلماں کی زباں پر چاہیئے
واہ عاصی! ایک دو کاغذ پہ کیا ہوگا رقم
ان کی تو ایک اک ادا لکھنے کو دفتر چاہیئے

اقبال سہیل: بقیہ از صفحہ نمبر ۵

مشرقِ وسطیٰ میں ایک اخبار کے اعزازی نمائندہ تھے۔ نہایت مضبوط قلم کے حامل اور منجھے ہوئے صحافی تھے۔ ان کے تجزیئے، پُرمغز اور معلومات افزا ہوتے تھے۔ شورش کاشمیری مرحوم سے بہت ارادت تھی اور غالباً وہ صحافتی میدان میں شورش مرحوم سے بہت زیادہ متاثر تھے۔

مولانا قاری محمد عبید اللہ:

استاذ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش قدس سرہ کے فرزند اور جامعہ خیر المدارس ملتان کے شعبہ تجوید و قرأت کے صدر مدرس تھے۔ اپنے عظیم والد کے صحیح جانشین تھے۔ جب سے ہوش سنبھالا قرآن کی تعلیم و تعلم میں ہی مصروف رہے۔ پینتیس برس کی عمر میں جواں مرگ ہوگئے۔ ان کی خدمتِ قرآنِ کریم ہی آخرت میں ان کے لئے ذریعۂ نجات ہے (ان شاءاللہ)

○۔ جامعہ خیر المدارس ملتان ہی کے ایک اور مدرس مولانا قاری عبد العزیز بھی انتقال فرما گئے۔
○۔ مجلس احرارِ اسلام ملتان کے مخلص کارکن جناب محمد یوسف صاحب کی جواں سال بیٹی رحلت کر گئیں۔
○۔ مجلس احرارِ اسلام ملتان کے کارکن جناب عبد الستار صاحب کی والدہ ماجدہ وفات پا گئیں۔
○۔ مجلس احرارِ اسلام صادق آباد کے نائب صدر چودھری محمد اشرف صاحب کے سسر انتقال کر گئے۔
○۔ مجلس احرارِ اسلام میانوالی قریشیاں (ضلع رحیم یار خاں) کے صدر مولانا عبد الستار کے برادرِ بزرگ جناب منظور احمد صاحب رحلت فرما گئے۔

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے انکے حسنات قبول فرمائے اور سیئات سے درگزر فرمائے۔ ان کے پسماندگان کو صبر عطاء فرمائے۔ (آمین) اراکین ادارہ، تمام لواحقین سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں سب مرحومین کو شامل رکھیں۔ اور ان کے ایصال ثواب کے لئے خاص اہتمام فرمائیں۔

(مدیر)

حضرت مولانا قاضی محمد شمس الدین رح

خالد بن یزیدؒ اموی

پہلا مسلمان سائنس دان

اسلام کے اوّلین سنہری علمی دور کی تاریخ کو مسخ کرنے میں اسلام دشمن باطنی تحریک کے ساتھ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے یورپین مستشرقین نے بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مسلمانوں نے کوئی علمی ترقی کی ہو یا عمرانی، مستشرقین کے منہ سے یہ رال ٹپکتی ہی رہتی ہے کہ اس عظمت کمال کو یورپ کے کھاتے میں ڈال دیں، مثلاً فرنگیوں کی نئی "تحقیق" یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فقہ حنفی رومن لار کو سامنے رکھ کر مرتب کی ہے۔ (سیرت النعمان شبلی ص۱۱۹) اور تاج محل آگرہ اور مقبرہ جہانگیر لاہور، اطالوی مہندسین نے بنایا تھا۔ (اشارات مؤلفہ مستشرقی ص۱۱۱)
یہ ایک غیر متنازع حقیقت ہے کہ اسلام کے زریں علمی اور ثقافتی ادوار میں جس وقت مسلمانوں کا آفتاب علم و ہنر آسمان تحقیق و اجتہاد و ایجادات کے نصف النہار پر تاباں و درخشاں تھا اس زمانے میں یورپ جہالت و ادبار کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ علم و فن کا وہ کونسا پہلو تھا جس پر مسلمان محققین "ہمیں ہم ہیں" کا ڈنکا نہیں بجا رہے تھے۔
آج یورپین عیسائی اہل قلم قرون وسطی میں مسلمانوں کے علم و فن کی بالا دستی کا لاکھ انکار کریں لیکن عرب عیسائی اہل علم نے یورپ کے اس بر خود غلط گھمنڈ کے ڈھول کا پول کھول کر رکھ دیا۔ یورپ نے ڈھنڈورہ پیٹا کہ ہندوستان کا بحری راستہ سب سے پہلے ایک یورپی عیسائی واسکوڈی گاما نے دریافت کیا تھا۔ لیکن عرب عیسائیوں نے اس ڈھنڈورے کے ڈھول کا پول

ڈول کھولا کہ جس وقت واسکوڈی گاما نے ایک عرب ملاح شہاب الدین کی رہنمائی میں یہ سفر کیا اُس سے کہیں پہلے عرب ملّاح یورپ، افریقہ، ایشیا، جاوا، سماٹرا بلکہ چین تک کے سمندر کھنگالتے پھر رہے تھے۔ مشہور لبنانی محقق عرب عیسائی مسٹر لوئی معلوف (MALUF) نے مشہور کتاب المنجد کے حصّہ ادب وعلوم (سترھویں ایڈیشن) میں لکھا ہے کہ واسکوڈی گاما نے ایک عرب ملاح کی زیرِ نگرانی یہ سفر کیا تھا۔ المنجد صـ۳۸ پر لکھتا ہے:

"فاسکو دی غاما۔ بو رتغالی من مشاهیر الملاحین اکتشف طریق الهند عن رأس الرجاء الصالح ۱۴۹۸ء استعان بالعرب لیهتدی طریقه فی مجاهیل المحیط الهندی"

واسکوڈی گاما ایک مشہور پرتگالی ملّاح تھا جس نے ایک عرب ملاح سے امداد مانگی اور اس کی راہنمائی میں ۱۴۹۸ء میں راس اُمید کے راستے سے بحرِ ہند کے نادریافت اور گمنام بحری راستے معلوم کئے تھے۔"

پھر صـ۲۹۳ پر اس عرب ملّاح کے متعلق لکھتا ہے:

"شهاب الدین احمد بن ماجد لوتی عربی شهیر باسد البحر وبالمعلم ومن المرجح ان الرحالة فاسکو دی غاما اتخذه ربانا لسفینته فی رحلة ۱۴۹۸ء له الفوائد فی اصول علم البحر والقواعد وحاویة الاقتصار فی اصول علم البحار۔

"شہاب الدین احمد بن ماجد ایک عرب ملّاح تھا جو "شیر سمندر" اور "معلم" کے القاب سے مشہور تھا اور یہ یقینی بات ہے کہ واسکوڈی گاما نے اپنے سفرِ ہند ۱۴۹۸ء میں اسی کو رہبر ملاح بنایا تھا۔ فنِ سمندر بانی (ملاحت) میں اس کی دو تصنیفیں بھی ہیں۔ ایک کا نام "الفوائد فی اصول علم البحر والقواعد" ہے۔ اور دوسری کا نام "حاویۃ الاقتصار فی اصول علم البحار" ہے۔"

یہی مسٹر لوئی المنجد کے صـ۳۹۲ پر اس کتاب الفوائد کے متعلق لکھتا ہے:

"الفوائد فی اصول علم البحر والقواعد یشتمل علی تاریخ فن

الملاحة وعلاقتها بالنجوم فی خلیج العجم و الهندی و شواطی جزیرة العرب وسوما ترا و سیلون و زنجبار الفه شهاب الدین احمد بن ماجد بن ابی الرکائب ۱۴۸۹ء مخطوط فی پاریس۔

"خلیج فارس بحرِ ہند جزیرۃ العرب زنجبار افریقہ لنکا سماٹرا کے سمندروں میں فنِ سمندر بانی (ملاحت) کی تاریخ اور آسمانی ستاروں کے ساتھ اس فن کے تعلق کے بارے میں یہ کتاب شہاب الدین احمد بن ماجد بن ابوالرکائب نے ۱۴۸۹ء میں تصنیف کی اور اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پیرس کے کتب خانے میں موجود ہے"

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ عرب ملاّح صرف چپّو چلانے والے ملاح ہی نہ تھے بلکہ صاحبِ تصنیف بھی تھے اب ایک اور اہم عرب ملاّح کے متعلق مسٹر لوئی نے ہی المنجد میں ص۲۶۱ پر یوں لکھا ہے :

"سلیمان المهری من مشاهیر بحارین العرب لقب بمعلم البحر توفی نحو ۱۵۵۴ء وضع مولفات عرض لاحوال النجوم والریاح و نوامیسها فی انواع البحر و وصف طریق البحریة بین بلاد العرب و الهند و اندونیسیا و الصین۔

"سلیمان مہری عرب کے مشہور ماہر ملاحوں میں سے تھا اس کا لقب بھی معلم البحر تھا اندازاً ۱۵۵۴ء میں اسکی وفات ہوئی اس نے بہت سی تصانیف کی ہیں جن میں آسمانی ستاروں کے حالات بحری ہواؤں اور ان کے سمندری طوفانوں پر اثرات جو عرب ممالک، ہندوستان، انڈونیشیا اور چین کے سمندری سفروں میں پیش آتے ہیں، مفصل بیان کئے ہیں"

مسلمانوں کی اخلاقی عظمت :

لگے ہاتھوں اس مقام پر مسلمانوں کی اس اخلاقی عظمت کو بھی پیشِ نظر رکھیں کہ مسلمانوں نے یونان سے رائی جتنی طب سیکھی پھر اپنی محنت سے اور ذہانت سے اسے رائی سے پہاڑ

بنایا لیکن اس کا نام "طبِّ یونانی" ہی رکھا تاکہ محسنِ اوّل "یونان" کا نام روشن رہے لیکن طوطا چشم احسان فراموش یورپ کا اخلاقی پہلو یہ ہے کہ انکے سب سے پہلے مستشرق جربرٹ (JERBERT) نے دسویں صدی عیسوی میں فرانس سے اندلس (اسپین) کا سفر کیا، وہاں لمبی مدت مسلمان استاذوں سے ہر قسم کے علوم سیکھے پھر واپس آیا۔ اس کے بعد پیرل امینر (PiERREL AENERE) اور گیرارڈ ڈی کریمون (DE CREMONE) گیارھویں اور بارھویں صدی میں اندلس سے علومِ عربیہ سے مالا مال ہوکر واپس آئے اور وہی علوم یورپ میں پھیلائے۔ لیکن کیا مجال جو مسلمانوں کے احسان کا نام بھی لے جائیں.... سچ ہے: "وللّٰہ فی خلقہ شیون" اور یہ مسٹر جربرٹ ۹۹۹ میں پوپ مقرر ہوا تھا۔ ("الاستشراق والمستشرقون" علامہ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی رئیس شعبہ فقہ اسلامی یونیورسٹی ص۱۶ طبع کویت ۱۹۶۸ء)

— ملک محمد فیروز فاروقی صاحب نے خالد اموی کے علمی اور فنی کمالات کے مخفی گوشوں کی نقاب کشائی کی ہے اور اس سلسلے میں بڑی مفید معلومات فراہم کی ہیں لیکن ان کے ذاتی حالات اور سوانحی تفصیلات کچھ زیادہ نہ درج کر سکے۔ راقم الحروف نے مناسب سمجھا کہ ان کے کچھ ذاتی حالات اور سوانحی خصوصیات یک جا کر دے تاکہ تصویر مکمل ہو جائے۔

تاریخی پس منظر:

عبد مناف کے چار بیٹوں میں سے دو بیٹے ہاشم اور عبشم (عبد شمس) ایک ماں سے توام پیدا ہوئے تھے اور حقیقی بھائی تھے۔ ہاشم کی اولاد میں سے عبد المطلب سردارِ قوم تھے۔ اور عبد المطلب کے دس بیٹوں میں سے عبد اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والد تھے۔ حضور علیہ السلام کو جب نبوت ملی تو اس وقت آپ کے چار چچا زندہ تھے۔ حضرت حمزہؓ حضرت عباسؓ، ابولہب اور ابو طالب۔ حضرت حمزہ اور حضرت عباس مشرف باسلام ہوئے۔ ابولہب نے اتنی شدید عداوت ظاہر کی کہ اس کی مذمت میں اس کے نام کی صراحت کے ساتھ ایک "سورۃ لہب" نازل ہوئی اور ابو طالب حضور کے ساتھ محبت کے باوجود

اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور ان کے اس عدم اظہار اسلام کی تصریح شیخ صدوق نے اپنی کتاب جامع الاخبار مطبوعہ تہران میں ص۱۶ پر کی ہے۔

عبشمس کی اولاد :

عبشمس کی اولاد میں سے دو بیٹے امیہ اور عبدالعزیٰ بھی تھے۔ عبدالعزیٰ کے ایک پوتے حضرت ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبشمس بھی تھے۔ یہ ابوالعاص ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے حقیقی بھانجے اور حضور علیہ السلام کی تمام اولاد کے خالہ زاد بھائی بھی تھے اور دونوں کے پہلے داماد بھی تھے کہ حضور علیہ السلام کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ کے شوہر تھے ۔

بنو اُمیہ :

عبشمس کے دوسرے بیٹے امیہ کے تین لڑکے حرب، ابوالعاص اور عاص تھے۔ ابوالعاص کے دو بیٹے عفان اور حضرت حکم تھے۔ عفان حضرت عثمانؓ کے والد اور حضرت مروانؓ کے چچا تھے اور حضرت حکمؓ حضرت مروان کے والد اور حضرت عثمانؓ کے چچا تھے۔ اور حرب کے بیٹے حضرت ابوسفیانؓ تھے اور حضرت ابوسفیانؓ کے تین لڑکے بہت مشہور اور دہاۃ عرب میں سے ہو گزرے ہیں۔ حضرت یزید الخیرؓ ایک والدہ سے، حضرت معاویہؓ دوسری والدہ سے اور حضرت زیادؓ تیسری والدہ سے۔ حضرت معاویہؓ ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ کے حقیقی بھائی اور خال المومنین (مسلمانوں کے ماموں) مشہور تھے۔ سیدنا معاویہؓ کے پوتے ابوہاشم خالد بن یزید ہوئے ہیں۔

حضرت معاویہؓ کی اولاد میں سے خالد اور ان کی بہن عاتکہ بنت یزید بن معاویہؓ بعض خصوصیات میں منفرد و بے مثال تھے۔ حضرت عاتکہ معمر خاتون تھیں، مالک تخت و تاج، بارہ خلیفے ان کے محرم تھے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱)۔ عاتکہ کے دادا حضرت امیر معاویہؓ (۲) عاتکہ کے والد یزیدؒ

(۳) عاتکہ کے بھائی خلیفہ معاویہؓ ثانی (۴) عاتکہ کے خسر حضرت مروانؓ
(۵) عاتکہ کے شوہر خلیفہ عبدالملک بن مروانؓ (۶) عاتکہ کا لڑکا خلیفہ یزید بن عبدالملک
بن مروان، عاتکہ کے تین ناسگے بیٹے (۷) خلیفہ ولید بن عبدالملک (۸) خلیفہ سلیمان بن
عبدالملک (۹) خلیفہ ہشام بن عبدالملک (۱۰) عاتکہ کے حقیقی پوتے خلیفہ ولید بن یزید بن
عبدالملک (۱۱) عاتکہ کے دو ناسگے پوتے خلیفہ یزید بن ولید بن عبدالملک اور (۱۲) خلیفہ
ابراہیم بن ولید بن عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہم (۱)

ایک اور شرف :

سیّدہ عاتکہ کا ایک اور شرف یہ بھی ہے کہ وہ جہاں دفن ہوئیں دمشق میں آج تک
اس محلّہ کا نام در محلہ قبر عاتکہ" مشہور رہے۔ البدایہ والنہایہ کے مصحح جناب علامہ عبدالحفیظ
سعد عطیہ لکھتے ہیں : ———

" قبر عاتکہ محلۃ من محلات دمشق معروفۃ بھذا
الاسم الحی الیوم ۔" حاشیہ نمبر ۳ :
"محلہ قبرِ عاتکہ، دمشق کے مشہور محلوں میں آج (۱۳۵۱ھ) تک ایک مشہور
محلہ ہے۔ البدایہ والنہایہ جلد ۹ صـ۲۳۱"

خالد بن یزید :

نہ صرف اولاد بنو عبشمس میں بلکہ اپنے وقت کے نوجوانوں میں اپنی مثال آپ تھے، اپنے
جد امجد کی خلافت میں آنکھیں کھولیں اور ابتدا ہی سے حصولِ تعلیم کی طرف طبعی رجحان تھا
علومِ دینیات، تاریخ عرب اور علم الانساب میں بے مثال تھے، قاضی ابن خلکان ان کے
بارے میں لکھتے ہیں (۲): "کان اعلم قریش بفنونِ العلم۔
علم کی سب قسموں میں قریش کے سب سے بڑے عالم تھے۔
اور حافظ ابنِ عساکر اپنی تاریخ ابنِ عساکر میں لکھتے ہیں (۳)

"قال ابن ابی حاتم کان من الطبقة الثانیه من تابعی اهل الشام ۔ و قیل عنه قد علم علم العرب و العجم۔"

امام ابن ابی حاتم نے فرمایا ہے کہ آپ تابعین شام کے دوسرے طبقہ تابعین میں سے تھے اور ان کے متعلق ہی کہا گیا ہے کہ انہوں نے عرب و عجم کے علوم حاصل کئے۔

اور ابن عبدربہ اندلسی نے العقد الفرید میں خالد کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ (۴)

ما ولدت امیه مثل خالد بن یزید۔

خاندانِ بنو امیہ میں خالد بن یزید کی طرح کا کوئی دوسرا بچہ پیدا نہیں ہوا۔

بچپن ہی سے کتابیں جمع کرنے اور پڑھنے پڑھانے کا شوق تھا۔ امام ابنِ عساکر نے ان کا اپنے متعلق یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں کتابوں کا عاشق تھا۔

"کان یقول کنت مولعاً بالکتب۔"

اور ابن ندیم الوراق نے الفہرست میں لکھا ہے کہ (۵)

الذی عنی باخراج کتب القدماء فی الصنعة خالد بن یزید ..... وهو اول من ترجم له کتاب الطب و النجوم و کتاب الکیمیا و کان جوادا۔

خالد سب سے پہلا آدمی ہے جس نے پرانے ماہرینِ فن کیمیا کی کتابوں کو مہیا کیا اور طب، نجوم اور کیمیا کے فنون کی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ بڑا دریادل آدمی تھا۔

تصانیف :

اور نہ صرف یہ کہ کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ بلکہ خود بھی صاحبِ تصانیف تھے۔

یاقوت حموی نے معجم الادباء (۶) میں انکی دو کتابوں کے یہ نام بتلائے ہیں۔

۱۔ السر البدیع فی فک رمز المنیع ۲۔ کتاب الفردوس۔

ابن ندیم الوراق نے لکھا ہے کہ انکی بہت سی کتابوں میں سے تین کتابیں میں نے بھی دیکھی ہیں : ـــــــــ

وله عدة كتب و رسائل و له شعر كثير فى هذا المعنى رأيت

منه نحو خمس مائة ورقة و رأيت من كتبه كتاب الحرارات و

كتاب الصحيفة الكبير و كتاب الصحيفة الصغير و كتاب

وصية الى ابنه فى الصنعة -

بہت سی کتابیں اور رسالے انکی تصنیفات میں سے ہیں اور سائنسی علوم میں بھی ان کے

بہت سے اشعار ہیں جن میں سے میں نے بھی پانچ سو صفحات دیکھے ہیں

اور انکی کتابوں میں سے کتاب الحرارات

اور کتاب الصحیفۃ الصغیر اور کتاب الصحیفۃ الکبیر اور صنعتِ کیمیا میں اپنے بیٹے کے

نام ایک وصیّت نامہ بھی ہے جو میں نے بھی دیکھے ہیں۔

علم کو یاد رکھنے کا عجیب طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ اپنی باندیوں کو سامنے بٹھا رکھتے اور اپنے سبق کا ان کے سامنے تکرار کرتے رہتے اور پھر ان کو کہتے مجھے معلوم ہے کہ تم میں یہ علم سمجھنے کی صلاحیت نہیں۔ طبیعت متوازن اور متواضع تھی۔ اتنے علم کے باوجود عجب اور گھمنڈ کا نام نہ تھا۔ ان کا مشہور مقولہ تھا کہ "میں عالموں میں بھی نہیں اور جاہلوں میں بھی نہیں ہوں۔ علم جہاں سے بھی ملے حاصل کرنے کی لگن تھی۔

عروۃ بن ردیم۔ خالد سے ہی روایت کرتے ہیں کہ خالد نے فرمایا:

مجھے ایک دفعہ الجزیرۃ (دجلہ اور فرات کے درمیان کا دوآبہ) جانے کا اتفاق ہوا۔ اور کسی کو بتائے بغیر میں چپکے سے لباس اور حلیہ تبدیل کر کے اکیلا چل کھڑا ہوا۔ ایک جگہ کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ پادری اور ان کے چیلے ایک جگہ اکٹھے کھڑے ہیں۔ میں بھی ان کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا کہ آپ لوگ یہاں کس لئے جمع ہیں؟ وہ بولے کہ ہمارے ایک شیخ ہیں

وہ ہر سال ہمیں اسی دن یہاں ملتے ہیں اور ہم ان سے اپنے دین کے بارے میں پوچھتے ہیں پھر اس کے فرمان کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ شاید مجھے بھی کوئی مفید بات معلوم ہو جائے میں بھی ان لوگوں میں کھڑا ہو گیا جب وہ شیخ سامنے آیا تو پہلے تو مجھے بہت غور سے دیکھا پھر بولا تم ان لوگوں میں سے تو معلوم نہیں

ہوتے غالباً تم اُمتِ محمّدیہ میں سے ہو، میں نے کہا بے شک۔ تو راہب نے پُوچھا تم اُمتِ محمّدیہ کے علماء میں سے ہو یا جاہلوں میں سے۔

میں :۔ نہ میں ان کے عالموں میں سے ہوں نہ جاہلوں میں سے

راھب :۔ تمہارا یہ دینی عقیدہ ہے کہ جنّت میں جنّتی لوگ کھائیں پئیں گے۔ لیکن ان کو پاخانہ پیشاب کی ضرورت نہ ہو گی۔

میں :۔ بے شک ہمارا یہی عقیدہ ہے۔

راھب :۔ ہاں تو اس کی اس دنیا میں ایک مثال بھی موجود ہے۔ بتاؤ وہ کیا ہے۔؟

میں :۔ اس کی مثال وہ بچّہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہے صبح و شام اس کو اللہ کا رزق ملتا ہے لیکن وہ پاخانہ پیشاب نہیں کرتا۔

یہ بات سُن کر اس راہب کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اور بولا :

راھب :۔ تم تو کہتے تھے کہ میں نہ علماء میں سے ہوں نہ جہال میں سے

میں :۔ بے شک میں نہ مسلمانوں کے علماء میں سے ہوں نہ جاہلوں میں سے ہوں۔

راھب :۔ آپ لوگوں کا عقیدہ ہے نا کہ جنّتی جنّت میں خُوب کھائیں پئیں گے۔ لیکن جنّت کی نعمتوں میں سے کوئی چیز بھی کم نہ ہوگی۔

میں :۔ بے شک ہمارا یہی عقیدہ ہے اور بات ہے بھی ایسے ہی کہ جنّت میں کچھ کمی نہ ہو گی ــــــــــ

راھب :۔ ہاں تو اس کی بھی دنیا میں ایک مثال موجود ہے تم بتاؤ وہ مثال کیا ہے۔

میں :۔ اسکی مثال ایک عالم کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا علم اور حکمت سکھائی پھر اس عالم سے اگر لاکھوں کروڑوں لوگ بھی برس ہا برس تک پڑھتے رہیں تو اس عالم کا علم تو ان لوگوں کو ملے گا لیکن اس کے اپنے علم میں ذرّہ برابر کمی نہ آئیگی۔

راھب :۔ تم تو کہتے تھے کہ میں نہ علماء میں سے ہوں نہ جہال میں سے ہوں۔

میں :۔ بے شک میں نہ علماء میں سے ہوں نہ جہال میں سے ہوں۔

راھب :۔ اپنے لوگوں کی طرف متوجّہ ہو کر کہنے لگا۔ میں نے مُسلمانوں میں اس سے بڑا

حاضر جواب عالم نہیں دیکھا۔

پھر مجھے کہا کہ ایک بات بتاؤ۔ کیا تم میں یہ بات اب پیدا ہو گئی ہے کہ بڑے بوڑھوں سے چھوٹے بچے حجت بازیاں کریں ان کو برا بھلا کہیں اور کوئی ان کو نہ روکے نہ ٹوکے۔

میں :۔ ہاں یہ بات تو ہمارے معاشرے میں چل نکلی ہے۔

راھب :۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے دین میں اب کمزوری آنی شروع ہو گئی ہے اور دنیا کی طرف رغبت بڑھ چکی ہے۔ انتہی باختصار۔ (۸)

کیمیا دانی :

خالد سے کسی نے پوچھا کہ آپ ہمہ تن کیمیاگری کی طرف ہی متوجہ ہو گئے ہیں۔ خالد نے جواب دیا۔ خلافت تو دوسری طرف چلی گئی۔ بھائی کی وفات کے بعد لوگ اب مجھے بڑا سمجھ کر میری طرف آتے ہیں ان کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری مجھ پر آ گئی ہے۔ اس لئے میں نے یہ صنعت اختیار کر لی ہے کہ میں بھی کسی کا دست نگر نہ رہوں اور میرے احباب مداح بھی کسی اور طرف کا قصد نہ کریں(۹)۔ خالد کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ کچھ بھی ہو خلیفہ عبدالملک بن مروان صاحب تخت و تاج ہے اب اس کے ساتھ برابری کا معاملہ رکھنا سوائے استغناء کے ہو نہیں سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ اس فن میں کامیاب تھے۔ اور خالد کا یہ استغناء خلیفہ عبدالملک کو بھی کھٹکتا تھا۔ ایک دفعہ خلیفہ عبدالملک نے آل ابوسفیان کے مواجب اور وظائف بند کر دیئے۔ خالد کے نانا ابو ہاشم بن عتبہ کے بھائی عمرو بن عتبہ نے خلیفہ عبدالملک کے پاس اس بندش کی شکایت کی۔ خلیفہ عبدالملک نے جواب میں کہا کہ ہم تو اس کو دیتے ہیں جو لینے کی ضرورت سمجھے اور جو ہم کو اپنی خودداری دکھائے ہم بھی اس کو اسکی خودداری کے سپرد کر دیتے ہیں۔ یہ خالد کی استغنا کی طرف اشارہ تھا۔ جب یہ بات خالد تک پہنچی تو خالد نے کہا۔ یہ (عبدالملک) تو خود محرومیوں کا باپ (ابوالحرمان) ہے یہ مجھے کیا دھمکاتا ہے اسے معلوم نہیں کہ اس کے دینے والے ہاتھ کے اوپر ایک اور ہاتھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بہت فراخ ہاتھ ہے جو عبدالملک کے دینے سے بالا بالا ہی بہت کچھ دے دیتا ہے اور پھر عمرو بن

عتبہ کا حق تو اس سے بہت زیادہ عبدالملک کے پاس ہے جتنا عبدالملک نے عمرو کو دیا ہے۔ [۱۰]
یہ اشارہ تھا کہ خلافت تو خاندانِ خالد کی تھی جو آلِ مروان نے ہتھیا لی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کبھی خالد کی عبدالملک کے ساتھ رُد و بدو بات ہوتی تو خالد عبدالملک کو خاموش ہونے پر مجبور کر دیتا تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ خالد اپنے باپ کی طرح قادر الکلام فصیح اور حاضر جواب تھا۔ امام ابنِ کثیر نے بھی لکھا ہے کہ :

کان خالد فصیحا بلیغا شاعرا منطقیا مثل ابیہ ۔"

(تاریخ ابنِ کثیر جلد ۹ صفحہ ۶۰)

ایک دلچسپ مکالمہ :

ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خلیفہ عبدالملک کے ولی عہد لڑکے ولید نے اور خالد کے چھوٹے بھائی عبداللہ نے گھوڑے دوڑائے ۔ اتفاق سے عبداللہ کا گھوڑا آگے نکل گیا۔ جس پر ولید بہت شرمندہ ہوا اور اپنی خفت مٹانے کے لئے واپسی میں بدکانے کے لئے ، عبداللہ کے گھوڑے کو کچوکے لگائے اور عبداللہ کی نقلیں اُتاریں۔ عبداللہ کو یہ بے ہودہ حرکتیں بہت ہی ناگوار گزریں۔ غصے سے لال سُرخ گھر پہنچا، گھوڑے کو باندھ کر اِدھر اُدھر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ خالد نے محسوس کیا کہ کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ عبداللہ سے پوچھا۔

خالد —— عبداللہ کیا ڈھونڈتے ہو ؟

عبداللہ —— آج ولید نے میرے ساتھ گھوڑا دوڑایا۔ میرا گھوڑا اس کے گھوڑے سے آگے نکل گیا واپسی پر اس نے میرے گھوڑے کو بدکانے کے لئے کچوکے لگائے اور میری نقلیں اُتاریں۔ میں ابھی تلوار سے اس کا کام تمام کرتا ہوں۔

خالد —— عبداللہ ! یہ تو تم نے بہت غلط سوچا ہے، تم جانتے ہو کہ وہ امیر المومنین کا ولی عہد بیٹا ہے۔

عبداللہ —— لیکن اس نے اپنی ناکامی کی خفت مٹانے کے لئے میرے گھوڑے کو کچوکے کیوں لگائے اور میری نقلیں کیوں اُتاریں۔ ؟

خالد ـــــ تم حوصلہ کر دیں ابھی امیرالمومنین سے بات کرتا ہوں۔

یہ کہہ کر خالد عبدالملک کے پاس گئے اور اس کے پاس اتفاق سے اس وقت ولید بھی موجود تھا۔ خالد نے عبدالملک کو کہا کہ آج ولید اور عبداللہ نے گھوڑے دوڑائے، عبداللہ کا گھوڑا آگے نکل گیا۔ اس پر ولید نے اپنی خفت مٹانے کے لئے عبداللہ کی نقلیں اتاریں اور اس کے گھوڑے کو کچوکے لگائے۔ اس طرح عبداللہ کی تذلیل کی جو عبداللہ نے بہت محسوس کی ہے۔

عبدالملک ـــــ یہ خیال نہ کرتے ہوئے کہ بات کس سے کر رہا ہے۔ شاہی گھمنڈ میں بے پرواہی سے بولا۔

ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ ۚ وکذالک یفعلون ـ

بادشاہ جس بستی میں داخل ہوتے ہیں اس کو تباہ کرتے ہیں وہاں کے باعزتوں کو ذلیل کرتے ہیں اور ان کا یہی کام ہوتا ہے۔

خالد ـــــ واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرناھا تدمیرا

جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے امیروں سے بڑے کام سرزد ہوتے ہیں پھر ان کی تباہی حق ہو جاتی ہے تو ہم اس کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں ـــــ

عبدالملک ـــــ کھسیانا ہو کر بات کا پہلو بدلتا ہے، عبداللہ بہت اچھا نوجوان ہے اگر اس کے کلام میں لحن نہ ہوتا۔ (بات کرنے میں زیر زبر غلط کرنے کو لحن کہتے ہیں

خالد ـــــ لیکن آپ کے بیٹے ولید کے کلام میں تو عبداللہ سے بھی بہت زیادہ لحن

عبدالملک ـــــ ہاں، گو ولید کے کلام میں لحن ہے لیکن اس کے بھائی سلیمان کے کلام میں تو لحن بالکل نہیں۔

خالد ـــــ ہاں اگر عبداللہ کے کلام میں لحن ہے تو اس کے بھائی خالد (یعنی خود وہ) کے کلام میں بھی لحن بالکل نہیں۔

عبدالملک ــــ لیکن خالد! یہ تو تم نے اپنے منہ آپ اپنی تعریف کی ہے جو مناسب نہیں۔

خالد ــــ لیکن امیرالمومنین! آپ نے بھی تو اپنی تعریف اپنے منہ کی تھی۔

عبدالملک ــــ وہ کب!! وہ کب!!

خالد ــــ جب آپ نے عمرو بن سعید (بن عاص بن اُمیہ متوفی ۶۹ ھ) کو قتل کیا تھا اور خود اپنے منہ سے کہا تھا کہ جو عمرو بن سعید کو قتل کرے اس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے اس کارنامے پر فخر کرے۔

عبدالملک ــــ اِدھر سے ناکام ہو کر دوسری دفعہ بات بدلتے ہوئے۔ ہمارے والد مروان بہت باہمّت انسان تھے۔

خالد ــــ وہ تو اب اس دنیا میں نہیں لیکن اگر میں ان کے متعلق بھی کہنا چاہوں تو بہت کچھ کہہ سکتا ہوں۔

عبدالملک ــــ اب بالکل ہی لاجواب ہو کر خاموش ہو جاتا ہے اور پھر کہتا ہے۔ خالد بس بھی کرو۔ تم تو بہت جری ہوتے جا رہے ہو۔

خالد ــــ نہیں امیرالمومنین! بات تو اس شاعر کی ہے جس نے کہا تھا کہ ہاتھ کے ہتھیاروں کی لاکوں سے زبان کے ہتھیاروں کی بہت زیادہ چبھتی ہیں۔

اب عبدالملک تو بالکل ہی ہتھیار ڈال بیٹھا لیکن آدابِ مجلس کا خیال نہ کرتے ہوئے ولید بولا ــــ

ولید ــــ خالد چُپ رہو، تم تو کسی شمار وقطار میں ہی نہیں ہو (نہ عیر میں ہو نہ نفیر میں۔) ــــ

"عیر" تجارتی قافلے کو کہتے ہیں اور "نفیر" جنگی لشکر کو۔ خالد کو بڑوں کی بات میں چھوٹے (ولید) کا دخل دینا ناگوار گزرا اور عبدالملک کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

خالد ــــ امیرالمومنین آپ سُن رہے ہیں کہ آپ کا لڑکا کیا گل افشانی کر رہا ہے۔ پھر ولید کی طرف متوجہ ہو کر "تم جانتے ہو کہ عیر کس کا ہے اور نفیر کس کا ہے؟ سُنو! میرے پردادا ابوسُفیان تجارتی قافلے (عیر) کا سربراہ تھا اور میرا پرنانا عتبہ بن ربیعہ جنگِ

بدر میں قریش کے جنگی لشکر کا سردار تھا۔ البتہ اگر تم یوں کہتے کہ " بھیڑیں " اور انگوروں کے جھنڈ " اور طائف " اور اللہ حضرت عثمانؓ پر رحم فرمائے " تو ہم تمہاری تصدیق کرتے، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ عبدالملک کے دادا حضرت حکم کی جائداد طائف میں تھی وہاں انہوں نے بھیڑوں کے ریوڑ پال رکھے تھے دن کو ان کو چراتے دوپہر کو انگوروں کے کسی سایہ دار جھنڈ کے نیچے آرام کرتے۔ حضرت عثمان نے ان کو اپنے دورِ خلافت میں مدینہ بُلا لیا تھا۔ حضرت حکم حضرت عثمانؓ کے چچا تھے۔ (۱۱)

خوش مزاجی

خالد بن یزید بے حد سلیم الفطرت اور خوش مزاج تھے۔ بعض دفعہ ان کے " مطائبات " سے عبدالملک سنٹ پٹا کر رہ جاتا۔ عبدالملک کا ایک چھوٹا بھائی تھا معاویہ بن مروان۔ اس کی عقل خاصی کمزور تھی اور ابومغیرہ کنیت تھی۔ ایک دن وہ خالد کو مل گیا تو خالد نے ابومغیرہ سے کہا کہ ابومغیرہ! یہ کیا بات ہے کہ تمہارا بھائی تم کو بالکل ہی بے حیثیت سمجھتا ہے کہ تم کو کسی صوبے کا گورنر نہیں بناتا۔

ابومغیرہ —— نہیں یہ بات تو نہیں اگر میں چاہوں تو وہ مجھے ضرور بنا دے۔

خالد —— اچھا تو پھر تم اس کو کہو کہ وہ تم کو صوبہ بیت اللہب (آگ کا گھر۔ مراد دوزخ) کا گورنر بنا دے۔

ابومغیرہ نے کہا کہ بہت اچھا۔ چنانچہ صبح کے وقت امیرالمومنین عبدالملک کے پاس گیا اور اس سے یوں مخاطب ہوا۔

ابومغیرہ —— کیوں امیرالمومنین میں آپ کا بھائی نہیں ہوں؟

عبدالملک —— بے شک! تم میرے بہت اچھے بھائی ہو۔

ابومغیرہ —— اچھا اگر یہ بات ہے تو آپ مجھے صوبہ بیت اللہب کا گورنر بنا دیں۔

عبدالملک نے اندازہ کر لیا کہ یہ کارستانی خالد کی ہی ہو گی۔

چنانچہ ابومغیرہ سے پوچھا۔

عبدالملک ـــــ تم کو خالد کب ملے تھے۔

ابو مغیرہ ـــــ کل شام کو ملے تھے۔

عبدالملک ـــــ اچھا تو آئندہ اس سے بالکل نہ بولنا۔

اتنے میں خالد دربار میں جا داخل ہوئے ابو مغیرہ کو دیکھا تو پوچھا کہو۔

ابو مغیرہ! کیسے ہو؟

ابو مغیرہ ـــــ عبدالملک کی طرف اشارہ کرکے "اس نے مجھے آپ کے ساتھ بولنے سے بالکل ہی منع کر دیا ہے۔"

یہ بات ابو مغیرہ نے اس بھولے پن سے کہی کہ پوری مجلس کشتِ زعفران بن گئی عبدالملک بساختہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا۔ مجلس برخواست ہو گئی[۱۲]

خالد اور حجاج بن یوسف :

خالد با اصول منصف مزاج انسان تھے۔ اور حجاج بن یوسف گورنروں کی تاریخ میں ایک سخت گیر گورنر ہو گزرے ہیں۔ یہ محمد بن قاسم فاتح سندھ کے چچا تھے۔ اور ان کی پالیسی اپنے آقاؤں کی رضامندی تھی اور یہ روش خالد کو ناپسند تھی۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد خالد حج کو گئے اور وہاں حضرت عبداللہ بن زبیر کی ہمشیرہ سیدہ رملہ بنت زبیر کو نکاح کا پیغام دیا۔ اسکی بھنک کسی طرح حجاج کو مل گئی۔ حجاج چونکہ ہر بات کو اپنے آقاؤں کی رضامندی کے تابع، خواہی نخواہی، رکھنا چاہتے تھے اور چونکہ خلیفہ عبدالملک وغیرہ کی حضرت عبداللہ بن زبیر کے ساتھ عداوت چلی آ رہی تھی۔ زبیری خاندان امویوں کا مخالف تھا۔ اس لئے حجاج کا خیال تھا کہ یہ رشتہ شاید امویوں کی سیاست کے ساتھ متصادم ہو۔ حجاج نے اپنے پرائیوٹ سیکرٹری عبیداللہ بن موہب کو حضرت خالد کے پاس بھیجا اور اس کے ذریعے خالد کو کہلوایا کہ میرے مشورے کے بغیر آپ نے یہ رشتہ کرنے کی کیوں کوشش کی۔ یہ خاندان تو وہ ہے جس نے آپ کے آبا و اجداد کی طرف ہر بری بات منسوب کی اور ان کو گمراہ تک کہا ہے۔ اور پھر آپ ان کے ہم کفو بھی نہیں ہیں۔ یہ بات سن کر خالد غصے سے

لال سرخ ہو گئے۔ پہلے تو کافی دیر تک عبیداللہ کو غصے سے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے کہ تم قاصد ہو، اور افسوس کہ قاصد کو کچھ نہیں کہا جاسکتا ورنہ میں تمہارے ٹکڑے کر کے تمہارے آقا (حجاج) کے دروازے پر پھنکوا دیتا۔ جاؤ اس کو کہہ دو کہ تمہاری یہ حیثیت کب سے ہو گئی ہے کہ میں اپنے گھریلو رشتوں میں بھی تم سے مشورے لیتا پھروں۔ اور یہ جو تم نے کہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہتے تھے تو وہ آپس میں برابر کے قریش تھے۔ پھر جب اسلام آیا اور اُس نے حق کو واضح کر دیا تو پھر ان کے باہمی معاملات محبت و مخالفت انکی ذاتی صلاحیتوں کے مطابق تھے اور جو تم نے یہ کہا ہے کہ وہ ہمارے ہم کفو بھی نہیں ہیں تو اے حجاج خُدا تم کو سمجھے۔ تم انساب قریش سے کتنے بے خبر ہو۔ کیا عوام بن خویلد عبدالمطلب کے کفو نہ تھے جو عبدالمطلب نے اپنی لڑکی صفیہ ان کو بیاہ دی اور رسول اللہ نے تو خویلد کی لڑکی خدیجہ سے نکاح کیا تھا۔ اور تم اسی خویلد کی اولاد کو آلِ ابوسفیان کا کفو نہیں سمجھتے۔

جب حجاج کے پرائیوٹ سکریٹری نے خالد کے جوابات سُنائے تو حجاج سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ (۱۳)

اسی سفر کی بات ہے کہ جناب خالد مسجد نبوی میں بیٹھے تھے، سامنے سے حجاج بن یوسف گزرا، ہاتھ میں جڑاؤ تلوار تھی، جھومتا ہوا چل رہا تھا۔ کسی نے خالد سے پُوچھا کہ یہ "جھومتا خان" کون ہے۔ خالد نے بطور مزاح حجاج کو سُنا کر کہا چُپ چُپ یہ تو عمرو بن عاص ہیں ــــــــــــ

حجاج یہ جملہ سُنتے ہی وہیں کھڑا ہو گیا اور یوں گویا ہوا۔

"تم کہتے ہو یہ عمرو بن عاص ہے۔ مجھے نہ عمرو بن عاص بننے کا شوق اور نہ ہی اس کا بیٹا بننے کا شوق ہے۔ میں تو شیوخ ثقیف کا وہ چشم و چراغ ہوں جس نے اپنی تلوار کے گھاٹ تمہارے ایک لاکھ مخالفین کو خون میں نہلایا ہے۔ جو تمہارے باپ دادا پر ہر بُرے سے بُرا الزام لگاتے تھے۔ پھر تم مزاح کرتے ہوئے کہتے ہو یہ عمرو بن عاص ہے۔"

پھر حجاج روانہ ہو گیا لیکن غصے سے اسکی زبان پر تھا عمرو بن عاص، عمرو بن عاص۔ (۱۴)

امتدادِ وقت کے ساتھ خالد کے تعلقات خلیفہ عبدالملک سے بالکل ہموار ہو گئے۔ عبدالملک

نے اپنی صاحبزادی عائشہ بنت عبدالملک کا نکاح خالد سے کر دیا۔ (۱۵) اور بعد میں عبدالملک نے خالد کو صوبہ حمص کا گورنر بنا دیا۔ وہاں خالد نے اپنی ایک یادگار جامع مسجد حمص تعمیر کرائی جس میں چار سو زر خرید غلام کام کرتے تھے۔ پھر جب جامع مسجد مکمل ہو گئی تو وہ تمام غلام جن کی تعداد چار سو تھی سب کو آزاد کر دیا۔ (۱۶)

خالد گو خلیفۂ وقت نہ تھے لیکن سخاوت کی دھاک خلفاء سے بھی زیادہ تھی۔ ایک دفعہ ایک شاعر حاضر خدمت ہوا اور اسے کہا کہ میں نے آپ کی تعریف میں دو شعر کہے ہیں لیکن میں وہ شعر اس وقت پڑھوں گا جب ان کا انعام مقرر کرنے کا اختیار مجھے دیں گے۔ خالد نے حامی بھر لی تو شاعر نے دو شعر سنائے ؎

سالت الندا والجود حران انتما
فردا وقالا اننا لعبید!
فقلت ومن مولا کما فتطاولا
علی وقالا خالد بن یزید

"میں نے سخاوت اور بخشش سے پوچھا کہ کیا تم دونوں آزاد ہو؟ تو وہ دونوں بولیں کہ ہم تو غلام ہیں۔ میں نے پھر پوچھا کہ تم کس کی غلام ہو اور تمہارا آقا کون ہے تو وہ مجھے گھور کر کہنے لگیں۔ ہمارا آقا خالد بن یزید ہے۔

اس کے بعد خالد نے کہا کہ اب اپنا انعام بھی تم ہی مقرر کر لو تو شاعر نے کہا کہ ایک لاکھ روپیہ دلوائیے تو خالد نے ایک لاکھ روپیہ اس شاعر کو دینے کا حکم دیا۔ (۱۷)

آپ کے ضرب المثل کلمات :

بعض کلمات آپ نے ایسے بیان کئے جو بعد کو ضرب الامثال کے حکم میں آگئے۔ کسی نے پوچھا کہ انسان کے قریب تر کیا چیز ہے فرمایا۔ موت ـــــ سوال انسان کے لئے زیادہ قابل بھروسہ کیا چیز ہے فرمایا نیک عمل۔ سوال۔ انسان کے لئے سب سے ڈراؤنی چیز کیا ہے۔ فرمایا۔ مردہ۔ (۱۸)

آپ کا قول ہے کہ جب کوئی شخص ضدی بھی ہو، ریاکار اور باتونی بھی ہو اور پھر صرف اپنی ہی رائے صحیح سمجھتا ہو تو سمجھو کہ اسکی بدبختی مکمل ہو گئی۔[۱۹]

عام عادات :

جمعہ، ہفتہ اور اتوار کا روزہ رکھنے کی عادت تھی۔ علم طب، علم کیمیا اور علم طبیعیات میں دستگاہِ کامل تھی۔ ایک دفعہ عبدالملک کے دربار میں پانی کا ذکر چل نکلا تو خالد نے سمندر کے کھارے پانی کی چند مشکیں منگوا کر عملِ تقطیر ((FILTRATiON) کے ذریعے وہ پانی میٹھا کر دکھایا اور پھر اس عمل کی تفصیلات بیان کیں۔ فنِ کیمسٹری کے بے شمار تجربے کرتے رہتے تھے۔ پھر ان کو اپنی تصنیفات میں جگہ دیتے تھے۔ کاش کہ ان کی کوئی تصنیف ہاتھ لگ جاتی تو انہوں نے جو مفید اور قیمتی سائینسی تجربات کئے ہوں گے ان تک رسائی حاصل ہو سکتی۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔[۲۰]

علماءِ اُمت کی نگاہ میں :

محقق علماءِ اُمت کی نگاہ میں خالد بن یزید ہر حیثیت سے بلند رُتبہ شخص گزرے ہیں۔ در صدرِ اول کے محقق مؤرخین نے ان کی دینداری، انکی علمی قابلیت، ان کی اولوالعزمی اور سخاوت کا تذکرہ دل کھول کر کیا ہے گو اصل حالات بہت مبسوط و مفصّل ہوں گے کیونکہ آلِ ابوسفیان کا سیاسی اقتدار تو معاویہ ثانی پر ختم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سیاسی اقتدار پر آلِ مروان چھا گئے اور طبعی طور سے آلِ مروان کی طرف ہی مؤرخین کا رُخ پھر گیا۔ پھر جب اقتدار بنو عباس کے خاندان میں منتقل ہوا تو علمی بساط پر چھائے ہوئے باطنی تحریک کے علمبرداروں نے کُرید کُرید کر محاسن بنو عبشم کو محو کیا اور ان کے فرضی اور خود ساختہ مثالب و عیوب کو اُجاگر کیا تو ان حالات میں دشمنانِ بنو عبشم کی نگاہوں سے بچ کر کونوں کھدروں میں بچی کچھی جو تفصیلات مل سکیں ان سے اتنے حالات بمشکل معلوم ہو سکے ہیں۔

(۱) ـــــ حضرت امام یافعی یمنی متوفی ۷۶۸ ، مرأت الجنان میں لکھتے ہیں۔[۲۱]

كان موصوفاً بالعلم والدين والعقل۔

علم، دین اور عقل کی صفات سے خالد متصف تھے۔

(۲)—— امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ[22]

قال ابو زرعة الدمشقي معاويه وعبد الرحمن وخالد (بنو يزيد) من صالحي القوم۔

امام ابو زرعۃ الدمشقی نے فرمایا کہ معاویہ (ثانی) اور عبد الرحمٰن اور خالد پسران یزید مسلمانوں کے صالحین میں سے تھے۔

(۳)—— حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں[23]

صدوق مذكور بالعلم روى عن ابيه و دحية الكلبي و عنه الزهري و رجاء بن حيوة و علي بن رباح و عبيد الله بن عباس ذكره ابن حبان في الثقات۔

خالد راست باز اور ذی علم تھے اپنے والد اور حضرت دحیہ کلبی سے روایت کرتے ہیں اور خالد سے زہری رجاء بن حیوۃ علی بن رباح اور عبید اللہ بن عباس روایت کرتے ہیں ابن حبان نے ان کو ثقہ لوگوں میں بیان کیا ہے۔

(۴)—— حافظ ابن عساکر دمشقی لکھتے ہیں[24]

يوصف بالعلم ويقول الشعر وقال ابن حاتم كان من الطبقة الثانية من تابعي اهل الشام۔

علم سے موصوف تھے شاعر تھے امام ابن ابی حاتم (متوفی ۳۲۷) نے کہا ہے کہ تابعین شام کے طبقہ ثانیہ میں سے تھے۔

(۵)—— ابن ندیم نے الفہرست میں لکھا ہے۔[25]

كان خطيباً شاعراً فصيحاً حازماً ذا رأي وكان جواداً

خطیب، شاعر، فصیح اور محتاط و صاحب رائے اور بے حد سخی تھے۔

ان حوالوں میں خالد کے دیندار راستباز، ثقہ اور صالح اور سخی ہونے کی تصریحات بیان

ہوئی ہیں۔ تقوے کی وجہ سے آخرت کی طرف دھیان رہتا تھا۔ موت کو بہت یاد کرتے تھے خود فرماتے ہیں :۔۔۔۔۔

اتعجب ان کنت ذا النعمۃ
وانک فیھا شریف مھیب
فکم ورد الموت من ناعم
وحب الحیاۃ الیہ عجیب
اجاب المنیۃ لما دعتہ
وکرھا یجیب لھا من یجیب (۲۶)

کیا تم دولت مند، شریف اور ہیبت ناک ہونے کے گھمنڈ میں ہو۔ موت تو دولت مندوں کو بھی آ جاتی ہے۔ حالانکہ زندگی ان کو بہت پیاری ہوتی ہے۔ مگر موت جب بلاتی ہے تو اس کو ہر کوئی ناگواری سے قبول کرتا ہے۔

ایک قطعہ کے دو شعر یہ بھی ہیں (۲۷)

یوم الحساب اذا النفوس تفاضلت
فی الوزن اذ غبط الاخف الاثقلا
فاعمل لما بعد الممات ولا تکن
عن حظ نفسک فی حیاتک غافلا

روزِ حساب (قیامت) کو یاد رکھو جبکہ کم وزن (اعمال) والے بھاری وزن والوں پر رشک کریں گے اس لئے بعد موت کے لئے نیک عمل جمع کر رکھو اور اپنی زندگی میں اپنی جان کے حصے سے غافل مت رہو۔

اور ایک دوسرے عبرت انگیز قطعہ کا ایک شعر یہ بھی ہے (۲۸)

الموت حوض لا محالۃ فیہ کل الخلق شارع
ومن التقی فازرع فانک تحصد ما انت زارع

موت تو ایک حوض ہے جس میں کل مخلوق کو گھسنا ہے۔ اس لئے نیکیوں کی کاشت

کرلو کیونکہ وہاں وہی کاٹو گے جو یہاں کاشت کیا ہے۔

آپ سے اعلم حفاظ حدیث سید التابعین حضرت امام زہری اور حضرت رجاء بن حیواۃ نے حدیثیں روایت کی ہیں اور صحاح ستہ کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف میں بھی آپ کی ایک روایت نظر سے گزری ہے۔ (۲۹)

گوشہ نشینی :

آخر عمر میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اب باہر نکلنے میں کیا مزہ رہ گیا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی خوبی ہے تو باہر اس پر حسد کرنے والے ہی باقی رہ گئے ہیں۔ اور اگر کوئی برائی ہے تو اس کا ڈھنڈورہ پیٹنے والے بھی باقی ہیں۔ (۳۰)

اصل الفاظ یوں ہیں۔ ھل بقی الاحاسد نعمتہ اوشامت بنکبۃ۔

وفات :

سنہ ۹۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ امیر المومنین ولید بن عبد الملک نے جنازہ کو کندھا دیا۔ نماز جنازہ پڑھائی اور بنو امیہ کو مخاطب کر کے کہا کہ خالد کی میت پر چادریں ڈالو کیونکہ اس کے بعد تم کو اتنا اہم حسرتناک جنازہ پھر دستیاب نہ ہو گا۔ پھر خالد کو دفن کر کے اللہ کی رحمت کے سپرد کر دیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

فہرست حوالہ جات

۱۔ المحبر ص ۳۴۴۔ مصنف ابو جعفر محمد حبیب ہاشمی بغدادی متوفی ۲۴۵ھ طبع حیدر آباد دکن ۱۳۶۱ھ ۱۹۴۲ء

۲۔ وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان جلد ۵ ص ۱۲۶ طبع مصر۔ مولفہ قاضی شمس الدین ابن خلکان برمکی شافعی متوفی ۶۸۱ھ

۳۔ تاریخ ابن عساکر جلد ۵ ص ۱۱۷ طبع مصر مصنف حافظ ابو الحسن ابن عساکر دمشقی متوفی ۵۷۱ھ

۴۔ العقد الفرید جلد ۲ صہ ۹۴ طبع مصر مصنفہ احمد بن عبدربہ اندلسی (مولی ہشام بن عبدالرحمن اندلسی اموی) متوفی ۳۲۸ھ۔ ——

۵۔ کتاب الفہرست صہ ۹۸ مصنفہ محمد بن اسحاق ابن ندیم الوراق البغدادی مطبوعہ مصر

۶۔ معجم الادباء جلد ۱۱ صہ ۹۸ مصنفہ یاقوت حموی رومی، طبع مصر (صہ ۴۲)

۷۔ کتاب الفہرست ابن ندیم صہ ۹۸ طبع مصر ——

۸۔ تاریخ ابن عساکر دمشقی، جلد ۵ صہ ۱۱۸ - ۱۱۷ ——

۹۔ فہرست ابن ندیم صہ ۹۸ —— ۱۰۔ العقد الفرید جلد ۲ صہ ۲۵ ——

۱۱۔ تاریخ ابن عساکر دمشقی جلد ۵ صہ ۱۱۹ ۱۲۔ الاغانی جلد ۱۶ صہ ۸۰، ۸۷ مصنفہ علی بن حسین اصبہانی متوفی ۳۵۶ طبع مصر —— ۱۳۔ الاغانی جلد ۱۶ صہ ۸۵ ——

۱۴۔ العقد الفرید جلد ۲ صہ ۳۴۹، ۳۵۰ ۱۵۔ المحبر صہ ۵۹ ——

۱۶۔ تاریخ ابن کثیر عماد الدین ابن کثیر حنبلی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ طبع مصر صہ ۸ جلد ۹۔

۱۷۔ ایضاً —— ۱۸۔ معجم الادباء جلد ۱۱ صہ ۴۲ ——

۱۹۔ ایضاً —— ۲۰۔ تاریخ ابن عساکر جلد ۵ صہ ۱۲۰ - ۱۱۹ ——

۲۱۔ مرآت الجنان جلد اول صہ ۱۸۱ طبع حیدرآباد دکن مصنفہ امام عبداللہ بن اسعد الیمنی متوفی ۷۶۸ھ

۲۲۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۸ صہ ۲۳۷ طبع مصر ۲۳۔ تہذیب التہذیب جلد ۲ صہ ۲۸۱ طبع حیدرآباد دکن

۲۴۔ تاریخ ابن عساکر دمشقی جلد ۵ صہ ۱۱۷ طبع مصر ۲۵۔ کتاب الفہرست ابن ندیم صہ ۹۸ طبع مصر

۲۶۔ معجم الادباء جلد ۱۹ صہ ۴۲۔ العقد الفرید جلد ۲ صہ ۹۴ ——

۲۷۔ تاریخ ابن عساکر دمشقی جلد ۵ صہ ۱۲۵ ——

۲۸۔ ایضاً ایضاً ایضاً صہ ۱۲۰ ——

۲۹۔ ابوداؤد شریف جلد دوم صہ ۲۱۲ طبع دہلی باب فی لبس القباطی للنساء

۳۰۔ العقد الفرید جلد ۲ صہ ۱۵۱ ——

۳۱۔ معجم الادباء جلد ۱۱ صہ ۴۲ ——

مولانالال حسین اختر مرحوم

عجائبات مرزا

مرغ ۔ بلی اور چوہا

مرزا غلام احمد قادیانی تحریر فرماتے ہیں۔ رؤیا دیکھا' چند آدمی سامنے ہیں۔ ایک چادر میں کوئی شے ہے ایک شخص نے کہا۔ کہ یہ آپ کے لیے ہیں۔ دیکھا تو اس میں چند مرغ ہیں۔ اور ایک بکرا[1] ہے۔ میں ان مرغوں کو اٹھا کر اور سر سے اونچا کر کے لے چلا۔ تاکہ کوئی بلی وغیرہ نہ پڑے۔ راستہ میں ایک بلی ملی۔ جس کے منہ میں کوئی شے مثل چوہا ہے مگر اس بلی نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ اور میں ان مرغوں کو محفوظ لے کر گھر پہنچ گیا۔[2]

(البدر نمبر 1 جلد 20' 1905ء و مکاشفات صفحہ 42)

مرزا صاحب کے الہام کنندہ نے "بلی کو چوہے کی خواب" کی ضرب المثل سچ کر دکھائی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسی بہادر اور خوفناک قسم کی بلی تھی۔ کہ جس سے مرزا جی کے بکرے تک کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ خلیفہ قادیان اور امت مرزائیہ کو چاہیے۔ کہ آئندہ ربوہ کے سالانہ جلسہ میں اس بلی کے لئے ہدیہ تشکر کی قرارداد منظور کریں۔ کہ اس بلی نے مرغوں۔ بکرے اور خود مرزا صاحب کی طرف توجہ نہ کی۔ **اگر وہ حملہ آور ہوتی تو** مرغوں۔ بکرے اور خود جناب نبوت مآب کی خیر نہ تھی۔

رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت

مرغی کا الہام

مرزا غلام احمد صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

"رویا' دیکھا کہ ایک دیوار پر ایک مرغی ہے۔ وہ کچھ بولتی ہے۔ سب فقرات یاد نہیں رہے۔ مگر آخری فقرہ جو یاد رہا یہ ہے۔ ان کنتم مسلمین اس کے بعد بیداری ہوئی۔ یہ خیال تھا۔ کہ مرغی نے یہ کیا الفاظ بولے ہیں۔ پھر الہام ہوا۔ "انفقوا فی سبیل اللہ ان کنتم مسلمین"

(بدر جلد 2 نمبر 1' 1906ء مکاشفات صفحہ 47)

1۔ چادر میں بکرا سبحان اللہ۔ عجائبات در عجائبات (مدیر)

2۔ وہ تو خیر گزری کہ بلی نے توجہ نہ فرمائی۔ ورنہ مرزا صاحب بہادر مرغوں کو گھر تک سلامت کب لے جا سکتے؟ اور بکرے بچارے کی تو بلی تکا بوٹی کر دیتی۔ (مدیر)

مرزائیو! شکر کرو۔ کہ تمہارے "مسیح موعود" کی روایتی بلی کو اس الہام کرنے والی مرغی کا علم نہیں ہوا۔ اگر اسے پتہ چل جاتا۔ تو وہ اس مرغی کو معہ الہام بغیر ڈکار لئے ہضم کر جاتی۔ لگے ہاتھ اتنا تو بتاؤ۔ کہ جب مرزاجی کو سب فقرات یاد نہ رہے تو فرشتے کے لائے ہوئے الہام کس طرح یاد رہتے ہوں گے؟

سؤر کو الہام

میر محمد اسماعیل صاحب قادیانی لکھتے ہیں۔

"ایک جاہل شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نوکر تھا۔ اس پر ایک دن الہام کا چھینٹا بہ برکت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پڑ گیا۔ وہ سؤر ہانکتا تھا۔ اسے الہام ہوا۔ کہ اٹھ او سؤر نماز پڑھ!"

(اخبار الفضل قادیان 23 اکتوبر 26ء صفحہ 7)

سچ ہے۔ جیسی روح ویسے فرشتے۔ جیسے قادیانیوں کے مسیح موعود ویسا نوکر ویسی برکت ویسا فرشتہ اور ویسا الہام۔

این خانہ ہمہ آفتاب است!

کذاب فرشتہ

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں۔

"رؤیا کوئی شخص ہے۔ اس سے میں کہتا ہوں۔ کہ تم حساب کر لو۔ مگر وہ نہیں کرتا۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔ اور اس نے مٹھی بھر کر روپے مجھے دیئے ہیں۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا۔ جو الٰہی بخش کی طرح ہے۔ مگر انسان نہیں فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے دونوں ہاتھ روپوں کے بھر کر میری جھولی میں ڈال دیئے۔ تو وہ اس قدر ہو گئے۔ کہ میں ان کو گن نہیں سکتا۔ پھر میں نے اس کا نام پوچھا۔ تو اس نے کہا۔ میرا کوئی نام نہیں۔ دوبارہ دریافت کرنے پر کہا۔ کہ میرا نام ہے۔ ٹیچی" (مکاشفات صفحہ 48)

مرزاجی کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہیں روپے عطا کرنے والا ٹیچی فرشتہ کذاب اعظم تھا۔ کسی عام انسان کے سامنے جھوٹ بولنا گناہ عظیم ہے۔ مرزائیوں کے "ظلی و بروزی نبی" کی خدمت میں کذب بیانی کذاب اکبر کا ہی حوصلہ ہو سکتا ہے۔ مرزا صاحب نے پہلی دفعہ اپنے محسن اعظم فرشتہ سے دریافت کیا۔ کہ تمہارا نام کیا ہے۔ تو اس نے جواب دیا۔ کہ میرا کوئی نام نہیں۔ مگر دوبارہ نام پوچھا۔ تو اس نے کہا۔ میرا نام ہے ٹیچی۔ مرزاجی کے فرشتے نے یا پہلی دفعہ جھوٹ بولا یا دوسری دفعہ!

مرزائیو! جس نبی کے فرشتے جھوٹے اور کذاب ہوں۔ اس نبی کی نبوت کا کیا اعتبار؟ سچ ہے 'جیسی روح ویسے فرشتے'!

اس جبر پر تو ذوقِ بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

یہ تو نیچے سے پرائمری فیل ہیں۔ اگر مڈل پاس ہو جاتے تو جانے کامیابی کا معیار کیا ٹھہراتے اور کیا سے کیا بن جاتے۔ ذہنی افلاس اور دماغی قلاشی کا یہ حال کہ پرائمری تک پاس نہیں کر سکے۔ اور دعویٰ یہ کہ حبیب کبریا سے پیچھے کوئی درجہ نظر ہی نہیں آتا۔

بندگی پہ بھی خدائی کے ہیں دعوے کب سے
اب تو یارب ترے بندوں کی طبیعت بدلے

اور پھر یہ پرائمری فیل ہو کر محمد مصطفیٰ ؐ سے بڑھ جانے کے امکانات صرف بیٹے تک محدود نہیں۔ باپ کا بھی یہی حال ہے۔ وہ نیچے سے امتحان تو مختاری کا پاس نہیں کر سکے۔ مگر نقل کفر کفر نباشد بڑھ گئے حبیب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے

ایک مردود مرید قاضی اکمل کی ملعون زبان بکتی ہے۔

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

(البدر صفحہ 14، 25 اکتوبر 1906ء) قادیان

"الفضل" اس بے ایمانی و بے غیرتی پر چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کی بجائے قریباً چالیس سال بعد اس بے حیائی پر فخر و ناز کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔

"یہ شعر اس نظم کا حصہ ہیں جو حضرت مسیح موعود کے حضور میں پڑھی گئی اور خوش خط لکھے ہوئے قطعے کی صورت میں پیش کی گئی اور حضور"..... (جزاکم اللہ تعالیٰ کہہ کر) اسے اپنے ساتھ اندر لے گئے حضرت کا شرف سماعت حاصل کرنے اور "جزاکم اللہ تعالیٰ" کا صلہ پانے اور اس قطعے کو اندر خود لے جانے کے بعد کسی کو حق ہی کیا پہنچتا ہے کہ اس پر اعتراض کر کے اپنی کمزوری ایمان و قلت عرفان کا ثبوت دے"

(الفضل 22 اگست ۱۹۴۴ء)

تف ہے اس ایمان اور لعنت ہے اس عرفان پر ع
گر ولی اینست لعنت بر ولی!

مختاری فیل "مسیح موعود"

پھر یہ بھی تو دیکھئے کہ فخر رسل سید الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم "سے بڑھ کر شان" والے منشی غلام احمد خیر سے کھوتا رام جتنی قابلیت بھی نہیں رکھتے اور مختاری کا جو امتحان ہزاروں ہندو سکھ پاس کر لیتے تھے وہ "حضرت صاحب" پاس نہ کر سکے۔

صاحب زادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر امیر شاہ صاحب استاد مقرر ہوئے مرزا صاحب نے انگریزی شروع کی اور ایک دو کتابیں انگریزی کی پڑھیں۔ آپ نے مختاری کے امتحان کی تیاری شروع کر دی۔ اور قانونی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا پر امتحان میں

کامیاب نہ ہوئے۔ اور کیونکر ہوتے وہ دینوی اشغال کے لئے بنائے نہیں گئے تھے۔

(سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ 137و138)

چہ خوب! گویا امتحان میں کامیاب ہوتا تو دینوی اشغال کا پیش خیمہ تھا، مگر فیل اور ناکام ہونا۔ مدراج نبوت کا ایک درجہ اور قصر مسیحیت کا ایک ضروری زینہ

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی!

"چھوٹے میاں" "بشیر احمد صاحب" کا یہ آخری فقرہ انگور کھٹے ہیں کا مصداق بہت دلچسپ ہے، مگر اس سے زیادہ دلچسپ "بڑے میاں" "محمود احمد صاحب کا ارشاد ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

افیمی استاد کا افیمی شاگرد حضرت مسیح موعود کو کبھی یہ دعویٰ نہ تھا۔ کہ آپ نے ظاہری علوم کہیں پڑھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ میرا "ایک استاد تھا جو افیم کھایا کرتا تھا" وہ حقہ لیکر بیٹھا رہتا تھا۔ کئی دفعہ پینک میں اس سے اس کے حقہ کی چلم ٹوٹ جاتی۔ ایسے استاد نے پڑھانا کیا تھا۔

(الفضل 1929 - 2 - 5)

گویا "حضرت صاحب" اس استاد سے پڑھتے پڑھاتے نہیں تھے۔ بلکہ اس سے جس فن میں وہ ماہر تھا اسی کا استفادہ کرتے تھے۔ چنانچہ ذیل کی روایات سے اس بات کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔

(1) میاں محمود احمد صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود نے تریاقِ الٰہی دوا، خدا تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت بنائی، اور اس کا بڑا جزافیون تھا۔ اور یہ دوا کسی قدر اور افیون کی زیادتی کے بعد حضرت خلیفہ اول (حکیم نور الدین صاحب) کو حضور (مرزا صاحب) چھ ماہ سے زائد تک دیتے رہے اور خود بھی وقتاً فوقتاً مختلف امراض کے دوروں کے وقت استعمال کرتے رہے۔

(الفضل 29 - 7 - 19)

(2) آپ کی عادت تھی۔ کہ روٹی توڑتے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے جاتے پھر کوئی ٹکڑا اٹھا کے منہ میں ڈال لیتے۔ اور باقی ٹکڑے دستر خوان پر رکھے رہتے۔ معلوم نہیں حضرت مسیح موعود ایسا کیوں کرتے تھے مگر کئی دوست کہا کرتے تھے کہ حضرت صاحب یہ تلاش کرتے ہیں۔ کہ ان روٹی کے ٹکڑوں میں سے کون سا تسبیح کرنے والا ہے اور کون سا نہیں (الفضل 35, 3 - 24)

(3) صاحبزادہ بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ...... آپ چابیاں ازار بند کے ساتھ باندھتے تھے۔ جو بوجھ سے بعض اوقات لٹک آتا تھا۔ اور والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ حضرت مسیح موعود عموماً ریشمی ازار بند استعمال فرماتے تھے۔ کیونکہ آپ

کو پیشاب جلدی جلدی آتا تھا۔ اس لئے ریشمی ازار بند رکھتے تھے۔ تاکہ کھلنے میں آسانی ہو اور گرہ بھی پڑ جائے۔ تو کھولنے میں دقت نہ ہو۔ سوتی ازار بند میں آپ سے بعض وقت گرہ پڑ جاتی تھی تو آپ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی۔
(سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ 42)

(4) بعض دفعہ جب حضور جراب پہنتے تو بے توجہی کے عالم میں اس کی ایڑی پاؤں کے تلے کی طرف نہیں بلکہ اوپر کی طرف ہو جاتی تھی۔ اور بارہا ایک کاج کا بٹن دوسرے کاج میں لگا ہوتا تھا اور بعض اوقات کوئی دوست حضور کے لئے گرگابی جوتا ھدیۃً لاتا تو آپ بسا اوقات دایاں پاؤں بائیں میں ڈال لیتے تھے اور بایاں دائیں میں۔ چنانچہ اس تکلیف کی وجہ سے آپ دیسی جوتہ پہنتے تھے۔ اسی طرح کھانا کھانے کا یہ حال تھا۔ کہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تو اس وقت پتہ لگتا ہے کہ کیا کھا رہے ہیں کہ جب کھانا کھاتے کھاتے کوئی کنکر وغیرہ کا ریزہ دانت کے نیچے آجاتا ہے۔ (سیرۃ المہدی۔ حصہ دوم صفحہ 58)

(5) بعض اوقات زیادہ سردی میں دو دو جرابیں اوپر تلے چڑھا لیتے مگر بارہا جراب اس طرح پہن لیتے۔ کہ وہ پیر پر ٹھیک نہ چڑھتی کبھی تو سرا آگے لٹکتا رہتا اور کبھی جراب کی ایڑی پیر کی پشت پر آجاتی۔ اور کبھی ایک جراب سیدھی دوسری الٹی (سیرۃ المہدی حصہ دوم نمبر 126)

(6) کپڑوں کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کوٹ۔ صدری ٹوپی۔ عمامہ رات کو اتار کر تکیہ کے نیچے ہی رکھ لیتے اور رات بھر تمام کپڑے بستر پر سر اور جسم کے نیچے ملے جاتے۔ (سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ 128)

اس سلسلہ میں چند ایک مریدان باصفا کی روایت بھی سن لیجئے۔

(7) آپ کو (یعنی مرزا صاحب کو) شیرینی سے بہت پیار ہے۔ اور مرض بول بھی آپ کو عرصہ سے لگی ہوئی ہے اس زمانہ میں آپ مٹی کے ڈھیلے بعض وقت جیب میں ہی رکھتے تھے اور اسی جیب میں گڑ کے ڈھیلے بھی رکھ لیا کرتے تھے۔

(تتمہ براہین احمدیہ جلد اول نمبر 67 مرتبہ معراج الدین صاحب قادیانی)

(8) ایک دفعہ ایک شخص نے بوٹ تحفہ میں پیش کیا۔ آپ نے (مرزا صاحب نے) اس کی خاطر سے پہن لیا۔ مگر اس کے دائیں بائیں کی شناخت نہیں کر سکتے تھے۔ دایاں پاؤں بائیں طرف کے بوٹ میں اور بایاں پاؤں دائیں طرف کے بوٹ میں پہن لیتے تھے۔ آخر اس غلطی سے بچنے کے لئے ایک طرف بوٹ پر سیاہی سے نشان لگانا پڑا۔

(منکرین خلافت کا انجام صفحہ 96 مصنفہ جلال الدین شمس صاحب)

(9) نئی جوتی جب پاؤں کاٹتی تو جھٹ ایڑی بٹھا لیا کرتے تھے اور اسی سبب سے سیر کے وقت گرد اڑ اڑ کر پنڈلیوں پر پڑ جایا کرتی تھی۔ حضور کبھی تیل سر مبارک پر لگاتے تو تیل والا ہاتھ سر مبارک اور داڑھی مبارک سے ہوتا ہوا بعض اوقات سینہ تک چلا جاتا جس سے قیمتی کوٹ پر دھبے پڑ جاتے۔

(اخبار الحکم قادیان 35، 2-22)

گو اس سلسلہ میں تفصیلات کا دامن زلف یار سے بھی دراز تر ہے تاہم اہل فکر و نظر کے لئے اتنا کافی ہے۔

دریائے خون بہانے سے اے چشم فائدہ!
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

یہ منہ اور مسور کی دال آہ! انسانیت کی بدقسمتی اور دین کی مظلومی! کہ جس ذات شریف کو دسترخوان پر بیٹھ کر روٹی کھانے، چابیاں سنبھالنے، اپنی شلوار کا ازاربند کھولنے جراب اور جوتا پہننے۔ کاج میں بٹن دینے۔ استنجے کے ڈھیلے اور کھانے کے گڑ کو جدا جدا رکھنے حتیٰ کہ سیر کے وقت چلنے اور داڑھی مبارک کو تیل لگانے کی بھی تمیز نہیں وہ دعوے کرتے ہیں تو صرف نبوت اور مسیحیت کے نہیں بلکہ افضل الانبیا سے تخت نبوت و رسالت اور سید المرسلین سے تاج رشد و ہدایت چھیننے کے۔

بادہ عصیاں سے دامن تر بتر ہے شیخ کا
پھر بھی دعویٰ ہے کہ اصلاح دو عالم ہم سے ہے!

قادیانی نبوت کے تابوت میں آخری کیل

"الفضل" اور اللہ دتہ اپنا لکھا پڑھا چاٹ سکتے ہیں اور رائے عامہ کے دباؤ اور پریس کی گرفت سے گھبرا کر اپنی بات سے مکر سکتے ہیں۔ اور وہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی مرزائی اس قسم کی بات نہیں کہہ سکتا لیکن کیا اس بات کا بھی انکار ممکن ہے کہ ان مرزائیوں کے پیشوا خود مرزا جی "عشق رسول" کے مختلف مدارج تقابل و ہمسری، تفوق و برتری اور وحدت و عینیت طے کرنے کے بعد اب آخری منزل میں قدم رکھتے اور مقام مقصود پر آتے ہیں۔ یعنی نعوذ باللہ سید المرسلین کو مسند رسالت اور کرسی نبوت سے اٹھاتے اور خود ہدایت عالم کا تاج زیب سر کر کے تخت خلافت پر براجمان ہوتے ہیں سنئے اور جگر تھام کر سنئے مرزا جی کہتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں۔

کہ اب اسم محمدؐ کی تجلی ظاہر کرنے کا وقت نہیں۔ یعنی اب جلالی رنگ کی کوئی خدمت باقی نہیں۔ کیونکہ مناسب حد تک وہ جلال ظاہر ہو چکا۔ سورج کی کرنوں کی اب برداشت نہیں۔ اب چاند کی ٹھنڈی روشنی کی ضرورت ہے اور وہ احمد کے رنگ میں ہو کر میں ہوں۔ (اربعین نمبر 4 صفحہ 17)

فرمایئے! کیا اب بھی اس قسم کی بات میں کوئی کسر رہ گئی! کیا اس تصریح کی بھی کوئی تاویل کی جائے گی؟ کیا مقام محمدؐ پر اس بے حیائی سے ڈاکہ زنی کے بعد بھی غلام احمد کی "نبوت" کو محمد رسول اللہ کی اتباع کامل کا ثمرہ قرار دیا جائے گا؟ ارباب اقتدار سے! ہم ارباب اقتدار سے بھی دریافت کرتے ہیں کہ سرور کائنات کے دشمنوں کی تحقیر و اہانت اور تنقیص و مفضولیت کی خرافات اور بکواس سے گزر کر نعوذ باللہ سید المرسلین کو مسند رسالت سے اٹھا کر ہدایت عالم کے مقام محمود پر خود قبضہ کرنے کی نابکار سعی کے باوجود اس کذاب اکبر اور دجال اعظم کو انسان اور اس کی مردود و ملعون لاہوری اور قادیانی امت کو مسلمان سمجھا جائے گا۔

ہرگزم باور نمی آید ز روئے اعتقاد
ایں ہمہ ھا گفتن و دین پیمبر داشتن

مسلم لیگ اور اسلام میاں افتخار الدین اور سردار شوکت حیات خان اگر اپنی تقریروں سے مسلم لیگ میں انتشار کا موجب ہوں تو انہیں مسلم لیگ سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

مجلس عاملہ پاکستان مسلم لیگ نے ۱۱ر اپریل کو کراچی میں میاں صاحب اور سردار صاحب کو پارٹی سے پانچ پانچ سال کے لئے خارج کرتے ہوئے ان کے خلاف حسب ذیل فرد جرم مرتب کی ہے۔

میاں صاحب اور سردار صاحب نے جماعتی نظم و ضبط کا خیال کئے بغیر مجلس دستور ساز میں پارٹی کے فیصلوں کے خلاف تقریریں کر کے مسلم لیگ کے مفاد کو نقصان پہنچایا بلکہ انہوں نے پارلیمینٹ میں پاکستان پارلیمینٹ کی حیثیت کو چیلنج کیا۔ انہوں نے پارٹی میں انتشار و بد نظمی پھیلانے کے لئے تخریبی کارروائیاں کیں اور مسلم لیگ کو رسوا کرنے کی کوشش کی۔"

مگر آہ مرزا غلام احمد میاں محمود احمد اور دوسرے مرزائیوں کی اس قسم کی تقریروں سے نہ ملی نظم و ضبط کو صدمہ پہنچتا ہے نہ اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے نہ دین کی حیثیت کو چیلنج ہوتا ہے۔ نہ اس کی رسوائی ہوتی ہے۔ اور نہ ملت میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں معزز معاصر ڈان (اردو) بعنوان "پارٹی سے بغاوت کی سزا" لکھتا ہے۔

"گورنمنٹ، اس کے ارکان اور اس کی عام پالیسی پر انہوں نے سخت حملے کئے ہیں، انہوں نے اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ دستور یہ پاکستان اور پارلیمینٹ کی نیابتی حیثیت پر بھی اعتراض کیا پاکستان کا کون سا نظام اور ادارہ باقی رہ گیا جس کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ ان کی نظر میں اس کا احترام ہے...... ان کے اور مسلم لیگ پارٹی کے درمیان کون سی چیز مشترک رہ گئی تھی جو انہیں پارٹی کا رکن باقی رکھا جاتا"

بالکل انہی الفاظ میں ہم یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ...... (اس سارے مرزا نمبر سے قطع نظر صرف زیر نظر افتتاحیہ میں) ان کے کرتوت کو بغور دیکھ کر ہمیں بتلایا جائے کہ مرزائیت اور اسلام کے درمیان کون سی چیز مشترک رہ جاتی ہے کہ مرزائیوں کو ملت اسلامیہ کا رکن باقی رکھا جائے جب وہ اسلام کے ارکان اور اس کی عام پالیسی پر شدید حملے نہ کریں بلکہ خود سید الانبیاء رحمتہ اللعالمین کی شان رسالت کو ختم کر کے مرزا غلام احمد تخت و تاج نبوت پر قابض ہونے کی ملعون کوشش کرے تو پھر اسلام کا باقی کیا رہ گیا جس کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ مرزائیت کی نظر میں اس کا احترام ہے؟

الحاصل مرزا غلام احمد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حریف و مقابل اور بدترین مخالف و معاند ہے اور امت مرزائیہ امت محمدیہ سے بالکل جدا اور مغائر! اسے محمد رسول اللہ کے پاکستان میں مسلمانوں کے ساتھ شامل رکھنا اسلام کی مظلومی کا دردانگیز مظاہرہ ہے اور ملت کی مجبوری کا الم ناک نظارہ جسے دیکھ کر حساس و دین دار فرزندان توحید کا دل گھٹتا...... اور جگر پھٹتا ہے۔

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خون دل
بے دست و پا کو دیدہ بینا نہ چاہئے!

پروفیسر سید ابوبکر غزنوی مرحوم

عصر حاضر میں اُستاد اور شاگرد کا رشتہ

آئیے ہم غور کریں کہ عصر حاضر میں استاد اور شاگرد کے رشتے میں کیا گرہیں پڑ گئیں ہیں، ان گرہوں کی واضح طور پر نشاندہی کریں یہ دیکھیں کہ الجھاؤ کہاں کہاں ہے اور عقدہ کشائی کی صورت کیا ہے؟ رشتے میں بگاڑ کیوں پیدا ہوا اور اسے از سر نو استوار کرنے کی کیا تدبیر کی جا سکتی ہے۔

مادیت سے جہاں ہماری اور بہت سی اخلاقی اور روحانی قدریں برباد ہوئی ہیں، استاد اور شاگرد کا رشتہ بھی اس سے متاثر ہوا ہے یہ ایک المیہ ہے کہ یہ رشتہ جو محبت و تعظیم کا رشتہ تھا، یہ رشتہ جو تعلق خاطر کا رشتہ تھا، کاروباری سطح پر آ گیا ہے، جب ماحول مادیت سے متاثر ہو تو شاگرد کی منطق یہ ہوتی ہے کہ میں فیس ادا کرتا ہوں، اس لئے مجھے حق ہے کہ میں کلاس روم میں بیٹھوں اور لیکچر سنوں، میں استاد کا رہین منت نہیں ہوں، اساتذہ بھی اسی ماحول کی پیداوار ہیں اکثر اساتذہ ------- اور یہ میں معذرت چاہتے ہوئے کہتا ہوں ------- اس دور میں علم محض اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ وہ کسب معاش کر سکیں حصول علم کے لئے ایک لگن، ایک طلب، ایک پیاس جو ایک طالب علم کے اندر ہونی چاہئیے، اساتذہ میں باقی نہیں ہے جب علم محض کسب معاش کی خاطر حاصل کیا جائے تو وہ ہڈیوں میں رچتا نہیں ہے۔ علم بڑا ہی غیور واقع ہوا ہے۔ وہ ان لوگوں کے سینوں کو کبھی اپنا نشیمن نہیں بناتا جو غیر کی خاطر اس سے رسم و راہ رکھتے ہیں۔ جب استاد محض کسب معاش کے لئے پڑھتا ہے تو اسے اپنے مضمون پر دسترس نہیں ہوتی اور جب مضمون پر دسترس نہ ہو تو وہ مجبور ہوتا ہے کہ لبادے اوڑھے ------- علم و فضیلت کے لبادے کہ کہیں اس کے علمی بدن کے برص کے داغوں پر شاگردوں کی نظر نہ پڑے۔ وہ انہیں فاصلے پر رکھتا ہے طالب علم سوال پوچھتے ہیں استاد انہیں دباتا ہے۔ SNUB کرتا ہے اور رعب جماتا ہے۔

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر\
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی

جب استاد شاگردوں کو دباتا ہے تو گو ان کی زبانیں چپ ہوتی ہیں مگر ان کے چہرے صاف بول رہے ہوتے ہیں کہ یہ آپ کے لئے زیبا نہ تھا اور ان کے جی میں استاد کے لئے محبت و تعظیم باقی نہیں رہتی تو شاگرد یہ سمجھتا ہے کہ میں نے فیس ادا کی ہے اور یہ BUSINESS TRANSACTION ہے اور میں استاد کا رہین منت نہیں ہوں اور استاد یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اتنی تنخواہ کے عوض اتنے گھنٹے کام کرنا ہے اور اس معین مدت کے ختم ہو جانے کے بعد طالب علموں کا مجھ پر کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

کچھ وہ کھچے کھچے رہے کچھ ہم تنے تنے\
اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

یوں یہ رشتہ کاروباری سطح پر آنے کی وجہ سے اپنی تمام جاذبیتیں کھو بیٹھا ہے۔
آئیے ہم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا علاج ڈھونڈیں

حضور ﷺ کا ارشاد ہے

من لم یرحم صغیرنا و لم یؤقر کبیرنا فلیس منا
(جو چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا ہے اور بڑوں کا احترام نہیں کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے)

طالب علموں کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ اساتذہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اور لفظ فیض میں دانستہ طور پر بول رہا ہوں۔ اساتذہ ان کی ذہنی پرورش کرتے ہیں وہ ان کے محسن ہیں اور نجابت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے محسن کے سامنے انسان کی نگاہیں جھکی رہیں۔ انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ جس شخص سے انسان فیض حاصل کرتا ہو، اس کے گریبان میں ہاتھ نہ ڈالے اور استاد کا یہ سمجھنا کہ ان معین گھنٹوں کے بعد شاگرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ میرے دروازے پر دستک دے، صریحاً غیر اسلامی ہے۔ شاگرد ان کی معنوی اولاد ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شاگرد اپنی طالب علمانہ زندگی ہی میں نہیں بلکہ عمر بھر یہ حق رکھتا ہے کہ جب کبھی اسے کوئی الجھن پیش آئے وہ استاد کے دروازے پر دستک دے اور اس سے مشورہ چاہے اور استاد کا یہ فرض ہے کہ یوں تپاک اور گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کرے جیسے اپنی اولاد آگئی ہو اور اس کے مسائل سلجھانے کی کوشش کرے۔

آداب مجلس

استاد کی مجلس میں جو آداب شاگرد کو ملحوظ رکھنے چاہئیں، وہ آداب بھی اسے مجلس نبوی ہی سے سیکھنے چاہئیں حضور ﷺ اور صحابہؓ کے تعلق کے جہاں اور کئی پہلو تھے، ان میں استاد اور شاگرد کا رشتہ بھی تھا۔

و یعلمہم الکتاب و الحکمتہ
یعنی حضور ﷺ کتاب اور حکمت کی انہیں تعلیم دیتے ہیں وہ ان کے معلم ہیں یہ سمجھنا کہ مجلس نبوی کے جو آداب قران مجید میں مذکور ہیں، ان آداب کا تعلق محض مجلس نبوی ہی سے تھا اور اب جبکہ وہ مجلس باقی نہیں رہی، وہ تمام آیات جو ان آداب سے متعلق ہیں، معطل ہو گئی ہیں اور ان کی افادیت ختم ہو گئی ہے، یہ سوچنا بڑی ہی خام کاری اور ناپختگی کی بات ہے۔ بس ایک مسلمان طالب علم کو اپنے استاد کے ساتھ برتاؤ کا ڈھنگ بھی مجلس نبوی ہی سے سیکھنا چاہیئے، اس استاد اکبر سے بات کرنے کا سلیقہ قرآن مجید میں یوں سکھلایا گیا ہے۔

لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی و لا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض
(تم اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے اونچا مت ہونے دو اور ان سے یوں زور زور سے باتیں مت کیا کرو جیسے تم آپس میں کرلیا کرتے ہو)

حضرت شاہ ولی اللہ نے تفہیمات میں لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ پتا چلتا ہے کہ اپنے استاد کی آواز سے اپنی آواز اونچا کرنا صریحاً ناشائستگی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے

و انا عبد من علمنی حرفاً واحداً
یعنی جس سے میں نے ایک حرف بھی سیکھا ہے وہ میرا محسن ہے۔ میں نے اس سے فیض حاصل کیا ہے۔

آپ کہیں گے کہ تم اس نئے دور میں بہت پُرانی باتیں کر رہے ہو۔ میں یہ کہتا ہوں کہ آج سے ہزار سال پہلے اگر آگ جلاتی تھی، تو آج بھی اس سے جسم جلتا ہے اور اگر زہر آج سے کئی ہزار برس پہلے قاتل تھا، تو وہ آج بھی ویسا ہی ہلاکت آفریں ہے بالکل ویسا ہی ہلاکت آفریں ہے بالکل اسی طرح بعض اخلاقی اور روحانی قدریں ایسی ہیں جو زمان و مکان کے اختلاف سے بدلی نہیں جاسکتی ہیں اور زمانے کی لمبان گو کتنی آگے بڑھ جائے، استادوں کے ساتھ ناشائستگی کو تو کبھی قابل تحسین قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بے مروتی اور بدلحاظی کا نام تو تجدد پسندی نہیں ہے۔ اقبال علیہ الرحمہ نے بجا کہا تھا:

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

شفقت و تعظیم باہم ملزوم (RECIPROCAL) ہیں۔ کبھی تعظیم سے شفقت پیدا ہوتی ہے اور کبھی شفقت تعظیم کو جنم دیتی ہے اور شفقت وہ چیز ہے کہ اس سے برف کی سلوں کو تو میں نے اپنی آنکھوں سے پگھلتے ہوئے دیکھا ہے۔ کچھ شفقت میں بھی کمی آگئی ہے اساتذہ کو دیکھا ہے کہ طالب علم کے سلام کا جواب بڑی بے دلی سے دیتے ہیں اور بعض تو محض سر جھٹکتے ہیں اور زبان سے دو حرف کہنا بھی انہیں گراں گزرتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

فاذا حییتم بتحیتہ فحیوا باحسن منها او ردوها (القران)

(اور جب تمہیں سلام کیاجائے تو تم اس سے زیادہ تپاک اور گرمجوشی سے سلام کا جواب دو یا (کم از کم) ویسا ہی سلام لوٹادو)

اسلامی تہذیب میں تو طالب علموں کی تربیت کے لئے سلام میں خود پہل کرنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں بلکہ عین سنت ہے حضور ﷺ کے بارے میں ہم نے حدیث میں پڑھا ہے

کان یسلم علی الصبیان

وہ بچوں کو خود سلام کرتے تھے۔ ہماری درسگاہوں میں طالب علم استاد کے کمرے میں جائیں تو وہ کھڑے رہتے ہیں اور بالعموم انہیں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاتی یہ سب فرنگیوں کا اڑایا ہوا غبار ہے۔

دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
یہ سب مغربی تہذیب کے برگ و بار ہیں
اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

(اقبال)

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شاگردوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اساتذہ کے پاس بیٹھیں بات یہ ہے کہ جب تک استاد اور شاگرد میں انس و موانست نہ ہو صحیح طور پر استفادہ نہیں ہوسکتا۔

اپنے شاگردوں اور عزیزوں کے لئے ازراہ شفقت کھڑا ہونے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں بلکہ عین سنت کا تقاضا

ہے۔ کھڑا ہونا ایک تو تعظیماً ہوتا ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے

قوموا لسیدکم

اپنے بزرگ کے لئے کھڑے ہوجاؤ اور ایک کھڑا ہونا از راہ شفقت بھی ہے جیسا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا کے بارے میں ہم حدیث میں پڑھتے ہیں

کانت اذا دخلت علیہ قام الیھا

کہ جب بھی وہ آپکی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں، حضور ﷺ ان کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے فقہاء نے اس سے یہ نتیجہ مرتب کیا کہ کھڑا ہونا صرف تعظیماً ہی نہیں بلکہ شاگرد یا عزیز کے لئے از راہ شفقت کھڑا ہونا بھی مستحسن ہے۔

میں بات سمیٹتا ہوں اگر شاگرد یہ بات پلے باندھیں کہ استاد ان کے محسن ہیں، وہ ان سے فیض حاصل کرتے ہیں اور استاد اپنے مضمون سے وفا کریں اور اس پر دسترس حاصل کرنے کے لئے کاوش کریں اور اپنے شاگردوں کے سامنے بغیر لبادہ اوڑھے ہوئے آئیں اور امام مالک کی طرح

لاادری

(یہ بات مجھے نہیں آتی) کہنے میں ان کو کوئی تامل نہ ہو تو استاد اور شاگرد کے رشتے سے زیادہ جاذبیت رکھنے والا کوئی رشتہ نہیں۔

استاد اور شاگرد اسلامی تہذیب کے اس سانچے میں اگر ڈھل جائیں تو آنے والا مورخ جب ان تعلیمی اداروں کی تاریخ لکھے گا تو یہ ہڑتالیں جو آئے دن ان درسگاہوں میں ہوتی ہیں، اسے ڈھونڈے سے بھی ان کا سراغ نہ مل سکے گا۔

(و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین)

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر

ایک دھماکہ خیز کتاب

مصنف: مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

مقدمہ: مفکر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

جس میں واقعہ کربلا سے متعلق افسانوی کہانیوں کی اصل حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے

تاریخ و سیرت سے دلچسپی رکھنے والے ہر باذوق قاری کے لئے انتہائی اہم کتاب

دس کتابوں پر ۳۳٪ دس سے زائد کتابوں پر ۴۰٪ اور ۱۰۰ کتابوں پر ۵۰٪ رعایت دی جائے گی۔ ــــــــــ قیمت ۶۰ روپے

بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

مولانا عبد المجید سالک کے درج ذیل شعر سے

تمہیں اے مجاہدو جہان کا ثبات ہے
شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

کی پیروڈی

تمہیں سے اے شکم ورو توا ہے اور پرات ہے
تمہاری توند مایۂ قدور راسیات ہے
تمہاری ہی ڈکار سے خروشِ شش جہات ہے
ضیافتی مجاہدو تمہاری کیا ہی بات ہے

جو تم نہ ہو تو بے ضیا یہ ساری کائنات ہے

کرو جو بزم میں کبھی نمائشِ دلاوری
تو کانپ جائے میز پر رکابی اور طشتری
جو گردنِ پرند پر رواں ہو تیز تر چھری
تو جذبۂ شکم وری یہ کہہ اٹھے ہری ہری

بٹیر کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

جو کوفتوں کو چکھ چکے تو فیرنی کو چٹ کیا
جو شوربے پہ آگرے تو خالی ایک مٹ کیا
گلو اسے لے کے تا گلو کا ورد تم نے جھٹ کیا
قضا جو لائی پیٹنے کو تو اف کیا بٹ کیا

قضا سے بھی نہ جو ڈرے وہ پیٹوؤں کی ذات ہے

کبابِ مرغ سے اگر سجی ہوئی ہو طشتری
تو اس کو کھا کے فربہی میں منتقل ہو لاغری
گھٹیں جو چند بطخیں بڑھیں جہاں میں امتی
کٹیں جو چند مرغیاں تو قوم کی ہو زندگی

لہو جو ہے خروس کا وہ قوم کی زکوٰۃ ہے

کھائیں تیغ زن وہی کریں جو ذبح مرغیاں
چھری سے کھائے خوف جو چلائے کیسے گولیاں
دفاعِ ملک کی وہی اٹھائے ذمہ داریاں
جو کھائے سرخ کوفتے پیئے سفید یخنیاں

غلام ہے، وہ فطرتاً جو وقفِ دال بھات ہے

غلام مصطفیٰ دفائی
(سری نگر کشمیر)

علیہ السلام، رضی اللہ عنہ، اور رحمۃ اللہ علیہ کا استعمال

یوں تو عام مشاہدہ میں آیا ہے کہ سوادِ اعظم کی پیروی میں عامۃ المسلمین میں سے اسلاف صالحین کی متابعت اور اجماع امت کے مطابق اکثر مسلمان تو صرف معصومین حقیقی یعنی ملائکہ کے سردار جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل کے علاوہ تمام انبیاء کے اسماء پاک کے ساتھ لفظ علیہ السلام لکھتے اور پڑھتے آئے ہیں۔ اہلِ سنت و جماعت سے باہر کے فرقوں کی بات نہیں کی جاتی۔ ہاں اہلِ سنت میں سے چند لوگ غیر ملائکہ اور غیر انبیاء کے لئے بھی لفظ علیہ السلام لکھتے اور بولتے نظر آتے ہیں۔ جس سے تعلیم یافتہ طبقہ میں تذبذب کی سی کیفیت دیکھنے میں آتی ہے۔ کہ صرف چند صاحبان ہی ایسا کیوں کرتے ہیں۔ جبکہ اکثریت غیر انبیاء میں سے خلفائے راشدین اور اصحابؓ رسول ﷺ کے ساتھ لفظ رضی اللہ عنہ اور ان کے تابعین، تبع تابعین مجتہدین، محدثین، فقہاء و دیگر اولیاء کرام و بزرگان دین اور حضرات علماء کے اسماء کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ یا علیہ الرحمۃ لکھتے اور پڑھتے ہیں۔

غیر نبی کے لئے زیادہ سے زیادہ اتنا کیا گیا ہے کہ حضرات انبیاء کی والدہ ہائے محترمہ یا ازواج مطہرات کے ساتھ بھی لفظ علیہ السلام استعمال ہوا ہے۔ جیسے حضرت ہاجرہ، حضرت سارہ، حضرت مریم وغیرہ اس لحاظ سے تو ہماری امت مرحومہ میں اگر غیر نبی کے ساتھ علیہ السلام بولنے کی گنجائش ہو سکتی ہے تو صرف ازواج مطہرات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے، لیکن مسلمانوں کے سوادِ اعظم بلکہ کل کی کل امت نے احتیاطاً ایسا بھی نہیں کیا۔ پھر امت کی مقدس ماؤں کو چھوڑ۔ افضل ترین امت بعد نبی یعنی حضرات ابوبکر صدیقؓ، عمرؓ فاروق، عثمان ذوالنورینؓ۔ بلکہ خود آنحضور ﷺ کی صاحبزادیوں کو بھی چھوڑ۔ اور تمام اصحاب رسول ﷺ کو چھوڑ کر خالص حضرت علیؓ اور اہل بیت علیؓ اور ان کی اولاد میں سے صرف حضرت حسینؓ اور ان کی بھی صرف چند ہی اولاد پر لفظ علیہ السلام کے استعمال کا کیا راز ہے؟ یہ لفظ غیر اہل سنت میں تو اعتقاداً عام تھا لیکن ابھی گنتی کے چند سال ہی پہلے سے اہل سنت کے کئی اصحاب میں بھی رواج پا گیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ اور آج کل کے حساس تعلیم یافتہ نوجوان کا ذہن اس تذبذب سے کیسے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

مستند حوالہ جات میں سے صرف چند ایک ہی یہاں عوام کی آگاہی کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔ جن کے مطالعہ کے بعد ایک راسخ العقیدہ مسلمان گمراہی، بداعتقادی اور غیر شرعی غلو سے نجات حاصل کر کے مطمئن ہو سکتا ہے۔

۱۔ یہ کہ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق

من تشبہ بقوم فھو منھم

جس نے کسی قوم کے ساتھ (کسی بھی معاملہ میں) مشابہت کی تو وہ انہی میں سے ہے۔ تو حضرات اہلِ سنت و

جماعت کے اصول کے خلاف غیر ملائکہ اور غیر نبی کے لئے لفظ علیہ السلام بولنا اور لکھنا اہل سنت سے باہر کے فرقوں سے مشابہت ہوگی اور غیر نبی کو بھی نبی کا درجہ دینا شمار ہوگا جو ایک مسلمان کے ایمان کے لئے زبردست خطرہ ہے۔ اسی لئے حضرت علامہ محمد احمد صاحب الہ آبادی نے اپنی گرانقدر تصنیف "تحفۂ کربلا" کے ص ۱۹ تا ص ۲۱ پر اس حرکت کو تشبیہہ بالروافض کے پیش نظر حرام قرار دیا ہے۔ ہاں اہل تشیع تو چونکہ حضرت علیؓ، حضرت حسینؓ اور ان کی چند مخصوص اولاد کو امام بمثل نبی مان کر ان کے لئے بھی لفظ علیہ السلام بولتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ان کے یہاں حضرت علیؓ اور ان کی اولاد میں سے صرف مخصوص گیارہ اصحاب نبی ہی کی طرح معصوم صاحب وحی اور مفروض الطاعہ۔ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ اور سابقہ انبیاء سے درجہ میں بڑھ کر اور نبی آخر الناس کے برابر ہیں۔(۱) مگر چونکہ اہلِ سنت و جماعت کا ایسا عقیدہ نہیں۔ نہ ان کے ہاں حضور کے بعد کوئی نبی کے درجہ میں ہو سکتا ہے نہ معصوم۔ اسی لئے حضور ﷺ کے بعد خلفائے راشدین، ازواج مطہرات، بنات رسول اور عام صحابہؓ کے لئے قرآنی حکم کے مطابق اہل سنت حضرات کا عقیدہ لفظ (رضی اللہ عنہ بولنے اور لکھنے کا ہے)

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (القرآن سورۂ بینہ)

چنانچہ مصنف تحفۂ کربلا کی پوری عبارت یوں ہے۔

"مؤلف علی وجہ البصیرۃ جانتا ہے کہ اقرباء رسول ﷺ صحابہ کے ناموں کے ساتھ لفظ امام (خاص کر جبکہ ان کے آگے لفظ علیہ السلام بھی ہو) ہرگز عام لغوی معنوں میں (یعنی امیر خلیفہ، حاکم، پیشوا) نہیں بولا جاتا۔ جبکہ ایک خاص اصطلاحی معنی میں بولا جاتا ہے اور امام سے مراد پیغمبر ہی لیا جاتا ہے۔ اس کا ثبوت آخر کا لفظ علیہ السلام ہے۔ جو صرف معصومین یعنی فرشتوں اور انبیاء کے لئے جائز ہے۔ اس لفظ کو ایک دشمن اسلام جماعت نے ختم نبوت کا عقیدہ توڑنے کے لئے وضع کیا ہے۔۔۔۔ مسلمانوں کو ایک عام اصول کی تعلیم فرما دی گئی ہے کہ وہ دشمنان اسلام کے ظاہری خوشنما اور بے ضرر الفاظ کا کبھی بھی استعمال نہ کریں۔ پس صرف سیدنا علیؓ و حسنینؓ کے لئے میرے نزدیک اس لفظ کا استعمال توشبیہ بالروافض کے وجہ سے حرام ہے ہی۔ ورنہ پھر سیدنا ابن زبیرؓ کے لئے بھی جائزہ ہوگا کہ وہ بھی خاندان رسالت سے تھے اور راسدی تھے۔

۲۔ اسی طرح کا ایک فتویٰ حضرت علامہ محمد اسحاق سندیلوی، صدیقی، ندوی سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ (حال مقیم کراچی) نے اپنے ایک گرانقدر رسالہ "محرم اور اس کے بدعات کے ص ۲۰ سے لیکر ۳۶ تک یوں واضح فرمایا ہے۔

"جب افضل ترین امت بعد نبی ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پھر حضرت عمر فاروقؓ پھر حضرت عثمان ذوالنورینؓ بلکہ خود دخترانِ رسول کے لئے بھی ایسے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں تو خالص حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسینؓ یا ان کی اولاد کے لئے ایسے الفاظ شیعیت کے سوا کچھ نہیں اور اہلِ سنت کے لئے ناجائز ہیں۔ شیعہ تو ایسے الفاظ کا استعمال کرنے سے ان حضرات کو پیغمبر مان کر باقی خلفائے راشدین ازواج مطہراتؓ۔ باقی صاحبزادیوں اور صحابہؓ کی اہمیت کو مسلمانوں کے ذہنوں سے نکالنے کے لئے ایک

خاموش مگر پُراسرار طریقہ استعمال کرتے ہیں"

۳۔ اسی طرح سے ماہنامہ نوائے اسلام دہلی نے ماہ ستمبر اکتوبر ۱۹۸۲ء میں اس مسئلہ کے متعلق درج ذیل بیان صفحہ ۲۲ پر درج کیا ہے۔

"لفظ علیہ السلام حضرت حسینؓ کے لئے بولنا ناجائز ہے اور بالکل شیعیت۔ اس لئے کہ شیعہ حضرت حسین کو بمثل نبی مانتے ہیں"۔

ص ۴۰ پر ہے۔

"اہل سنت میں سے کئی اصحاب غلطی سے امام حسین علیہ السلام بولتے ہیں حالانکہ حضرت حسینؓ کے اسم پاک کے ساتھ ایسے الفاظ لگانا یکی شیعیت ہے کیونکہ جب حضرت ابوبکرؓ سے لے کر تمام صحابہؓ کو امام کے بجائے حضرت، اور علیہ السلام کے بجائے رضی اللہ عنہ لکھا جاتا ہے۔ تو خالص حضرت علیؓ اور ان کی اولاد میں سے بھی چند پر علیہ اسلام لکھنا کیا معنی؟ صرف رفض و شیعیت۔ اور یہ کہ سنیوں میں صرف شیعیت کا اثر ہے کہ شیعہ تو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کو اس طرح "امام" مانتے ہیں کہ وہ پیغمبر بھی ہیں۔ اور معصوم بھی، پیغمبر کی طرح پیدا ہوئے ہیں اور ان پر کتابیں آتی تھیں۔ اسی لے نبی کی طرح وہ ان پر بھی علیہ السلام کہتے ہیں مگر چند سنیوں کے ایسا کرنے پر افسوس ہے۔ جب خلفائے راشدینؓ اور اصحاب رسول ﷺ جو لفظ امام کے زیادہ مستحق تھے کے لئے "امام" اور علیہ السلام نہیں بولا جاتا تو خالص حضرت علیؓ اور ان کی کچھ اولاد کے لئے ایسا بولنا عین رفض کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ہاں! سنیوں کے ہاں اب "امام" کا استعمال صرف علماء فقہاء محدثین اور آئمہ مساجد کے لئے بولا جاتا ہے کہ وہ حضرات علم دین کے ماہر ہیں لیکن اہل سنت سے باہر فرقے تو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کو اس لحاظ سے "امام" نہیں کہتے بلکہ شیعی معنی میں "امام" کہتے ہیں یعنی مثل پیغمبر جو ہمارے ہاں جائز ہی نہیں"۔

۴۔ اسی طرح علامہ سید سیف اللہ ہاشمی نے اپنی گراں قدر تصنیف "سراج النبوت" کے صفحہ ۱۰۶ پر یوں گوہر افشانی کی ہے۔

"فرقۂ رضویہ بریلویہ اور فرقۂ امامیہ کی عادت و شعار یہی ہے کہ یہ لوگ اپنے بزرگوں اور اماموں کا نام لیتے ہیں یا سنتے ہیں تو بزبان فصیح علیہ السلام بولتے ہیں۔ مثلاً اعلیٰ حضرت علیہ السلام۔ نتھو شاہ علیہ السلام، امام علی رضا علیہ السلام اور جب یہ لوگ فخر عالم حضور علیہ السلام کا اسم مبارک سنتے ہیں تو ٹھکاری لگا کر خلاص ہو جاتے ہیں۔ اس کو نحوست کھو یا اور کچھ۔

۵۔ اسی طرح سے مصنف کتاب "قادیانی ہی کافر کیوں؟" نے اس کتاب کے صفحہ ۶۳ پر یوں سپرد قلم کیا ہے۔

"لفظ "امام" اور "علیہ السلام" غیر نبی پر لکھنا اور بولنا شیعوں کی ہم نوائی ہے۔

۶۔ حضرت مولانا حافظ مہر محمد میانوالی پاکستان کی علمی شاہکار "حرمت ماتم اور تعلیم اہل بیت" کے صفحہ ۱۰۱ پر بھی اسی قسم کا حوالہ موجود ہے۔

۷- حضرات علماء میں سے ایک بہت بلند پایہ بزرگ حضرت علامہ اشرف علی تھانوی کا فرمان "اشرف الجواب حصہ سوم" میں درج ہے کہ لفظ علیہ السلام صرف پیغمبروں کے لئے ہے۔

۸- مولانا خلیل الرحمن نعمانی مظاہری نے بھی اپنے ایک رسالہ "اسلامی نام" کے صفحہ ۲۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ لفظ علیہ السلام صرف پیغمبروں کے لئے ہے اور لفظ "رضی اللہ عنہ" صرف صحابہ کے لئے اور لفظ "رحمتہ اللہ علیہ" باقی بزرگان دین کے لئے۔

۹- اسی طرح ماہنامہ "ندائے سنت" لکھنو نومبر ۸۰ء کا شمارہ یوں رقمطراز ہے۔

ص ۹ زیر عنوان "تحقیق انیق"

"مثال کے طور پر "امام" کے لفظ کو لیجئے کہ بہتیرے سنی حضرات اس لفظ کو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ جو بے شبہ مخالفین اہلسنت کی ایجاد ہے۔ جو اپنے مزعومہ مسئلہ "امامت" کی بنیاد پر ان حضرات کو "امام" لکھتے ہیں جس کی رو سے یہ حضرات معصوم اور مفترض الطاعتہ ہیں اور اس معنی کے لحاظ سے سنی کے لئے کسی غیر نبی پر اس معنی میں امام کا اطلاق جائز نہیں۔

اسی قبیل سے ان حضرات کے حق میں "علیہ السلام" کا استعمال بھی ہے جو بہتیرے سنیوں کی تحریروں میں پایا جاتا ہے۔ یہ ہمارے مخالفین کا مخصوص شعار ہے کہ وہ حضرات انبیاء کی طرح اپنے مزعومہ آئمہ معصومین کے لئے بھی "علیہ السلام" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ"۔

درج بالا حوالہ جات کے علاوہ کچھ اسی قسم کے بیانات اور بھی کئی علمی شاہکاروں میں پائے جاتے ہیں۔

ان سب حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے سواد اعظم (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) اور حضرات اہل حدیث کے ہاں لفظ علیہ السلام غیر نبی کے لئے کسی صورت جائز ہی نہیں۔ اور حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق سواد اعظم کی پیروی میں ہی نجات ہے۔ (اتبعو السواد الاعظم بشکریہ ماہنامہ البدر کاکوری۔ انڈیا)

سبائی فتنہ (جلد اول)

تالیف
مولانا ابو ریحان سیالکوٹی

- اہلسنت کا روپ دھار کر رفض و سبائیت پھیلانے والے چکوالی فرقہ کے باطل افکار و خیالات کا مدلل، علمی و تحقیقی محاسبہ۔
- ایک تہلکہ خیز کتاب، جس نے نام نہاد تقدس مآبوں کی کمین گاہوں میں زلزلہ برپا کر دیا۔

کمپیوٹر کتابت ○ اعلیٰ طباعت ○ ۵۶۸ صفحات ○ قیمت ۱۵۰/- روپے

بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان، فون: ۲۸۱۲...

شاہ بلیغ الدین

اسدُ اللہ و اسدُ الرّسول

سیّد الشہداء حضرت امیرِ حمزہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر حمزہؓ کو ان کی جوانی میں لوگ دیکھتے تو بے اختیار اقبال کی زبان میں پکار اٹھتے

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارہ — شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری
اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر — اگر ہو صلح تو رعنا غزال تاتاری

وہ اونچے پورے بڑے سکلے جڑے کے آدمی تھے۔ جسم کسرتی تھا اور قوت اس بلا کی تھی کہ بڑا بڑا شہ زور ان کے مقابلے پر آتا تو چیں بول جاتا۔ بنو ہاشم میں کوئی ان کے مقابل کا بہادر، جری، نڈر نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کسی اور نے نہیں اللہ کے رسول نے انہیں اسدُ اللہ اور اسدالرّسول کا خطاب دیا تھا۔ اپنے دور کے مانے ہوئے پہلوان بھی تھے۔ گھڑ سوار بھی اور بے جگری سے تلوار چلانے والے تھے۔ میدانِ جنگ میں نکلتے تو دونوں ہاتھوں میں تلوار ہوتی، مقابل پر جھپٹتے تو دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے۔ حریف انہیں دیکھ کر ہی سہم جاتا اور جب وہ سر پر پہنچ کر وار کرتے تو دشمن کی سٹی گم ہو جاتی۔ یہ شان تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آہن پیکر اور فولاد شکن بنا کر دی تھی۔ نہ ان کے بھائیوں میں کسی کو نصیب ہوئی، نہ ان کے بھائیوں کی اولاد میں کسی کو یہ دم خم ملا۔ بدر کی فتح میں ان کے دست و بازو کا جوہر ایسا چمکا کہ اللہ جلّ جلالہٗ نے مجاہدوں سے تین گنا بڑی فوج کو سرنگوں کر دیا۔ یہی حال ان کا احد میں بھی تھا یہ شیر بیشۂ شجاعت ہی تھا جس نے جنگ کا پہلا معرکہ سر کر لیا تھا۔ مشرکین مکہ کے سب سے بڑے پہلوان سباع غبشانی کو سر سے اوپر اٹھا کر زمین پر پٹکتے وقت اگر چھپ کر پیچھے سے وحشی (وحشی) نے ان پر بھالا نہ پھینکا ہوتا تو نہ جانے ان کی شجاعت تاریخ اسلام میں اور کیا کیا معرکے سر کرتی۔ داستان امیر حمزہ کا کردار انہیں کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا۔ مولانا رومی نے ان کی شجاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے شوقِ شہادت کا تذکرہ کیا ہے۔

مثنوی معنوی میں ہے کہ جوانی میں وہ جب بھی میدانِ جنگ میں نکلے۔ زرہ پہن کر نکلے تھے۔

اسلام لانے کے بعد انہوں نے زرہ پہننی چھوڑ دی تھی بلکہ سینہ سامنے سے کھلا رکھتے تھے۔

کسی نے ان سے پوچھا ـــــ آپ کی عمر بڑھتی جا رہی ہے اور جوانی ڈھلتی جا رہی ہے تو آپ اپنی جان کی طرف سے اتنے بے پرواہ کیوں ہو گئے ہیں؟ تلوار اور تیر کی آنکھیں تو نہیں ہوتیں! دشمن تو ویسے ہی آپ کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔

شیر خدا اور شیر رسول سیدنا حمزہؓ نے فرمایا کہ ـــــ اسلام لانے سے پہلے جوانی میں سوچ یہ تھی کہ سب کچھ یہ دنیا ہے۔ اس کے مزے اس کے عیش و آرام موت کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں اس لئے میں موت سے بچنے کی تدبیر کرتا تھا لیکن جب سے اپنے برگزیدہ بھتیجے کے ہاتھ پر ایمان لے آیا ہوں موت مجھے عزیز ہو گئی ہے۔ یہ بات خوب اچھی طرح ذہن میں بیٹھ گئی ہے کہ ـــــ یہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ آنی اور فانی جگہ ہے۔ زندگی کی مدت ہی ہے ہی کیا؟ آخرت کی زندگی دائمی ہوتی ہے۔ سنو عزیزو! زرہ تو وہ پہنے جو موت سے ڈرتا ہو۔ مجھے تو موت جنت کی کنجی معلوم ہوتی ہے۔ اللہ کی راہ میں شہادت کی لگن کا مزہ جسے سمجھ میں آجائے وہی میرے دل کا حال سمجھ سکتا ہے

میدان اُحد میں ان کی لاش کو دیکھ کر اللہ کے رسول تڑپ اٹھے تھے۔ وہ ایک ہی صحابی ہیں جن پر اللہ کے رسول نے ستر دفعہ نماز جنازہ پڑھی۔ کون جانے اگر وہ زندہ رہتے تو احد کے دوسرے معرکے میں اللہ کے رسول زخمی بھی نہ ہوتے نہ دشمن جان ابن قمیئہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھ سکتا۔ کہ اللہ اور رسول کا شیر ان کی حفاظت پر چوکس رہتا تھا ـــــ کس جیالے نے موت پائی تھی جو بے نظیر اور بے مثال تھا۔ وہ نہ تھے تو طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص اور ابو دجانہ نے دشمنوں کا منہ پلٹ دیا۔ ؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ربیع الاول سے شمار کیجئے تو ہجرت کا پہلا سال تھا کہ معلوم ہوا شہ عرب و عجم سفر پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ کب؟ کہاں؟ کتنے دنوں کے لئے؟ کسی کو کچھ معلوم نہ تھا یہ پہلا موقع تھا کہ اللہ کے رسول اسلامی مملکت کے صدر مقام مدینے سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ سب کا خیال تھا کہ ضرور کوئی اہم کام آپ کے ذہن میں ہوگا۔

اللہ کے رسول بطور پالیسی جہاد کے مواقع پر یہ نہ بتاتے تھے کہ آپ کس رخ سے کسی دشمن کے خلاف معرکہ آرائی فرمائیں گے۔

حضرت سعد بن عبادہ خزرج کے سردار تھے۔ عجیب فضیلت ان کے حصے میں آئی تھی کہ اللہ کے رسول نے انہیں تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ مدینے میں اسلامی مملکت کا قائمقام سربراہ مقرر فرمایا تھا۔

حضرت امیر حمزہؓ کی خدمت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی فضیلتیں لکھی تھیں وہ اللہ کے رسول کے چچاؤں میں سب سے پہلے برملا ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ قرآن حکیم نے جنہیں السابقون الاوّلون فرمایا ــــ بالکل ابتدائی مسلمان ان میں شامل تھے۔ اللہ کے رسول نے اللہ کی راہ میں پہلے جہاد پر جن مجاہدوں کو روانہ فرمایا ان کے سپہ سالار وہی تھے۔ اور انہیں کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ جنگ کا پہلا پرچم سرور کائنات نے انہیں عطا فرمایا۔ یہ مسلمانوں کا پہلا سریہ تھا۔ وہ جہاد جس میں صرف صحابہ کرام شریک تھے۔ اب جو موقع آیا تھا وہ پہلے غزوے کا تھا۔ اللہ کے رسول خود جہاد پر جا رہے تھے پھر یہ شرف سیدنا حضرت حمزہؓ ہی کو حاصل ہوا۔ پہلے غزوے کا پہلا جنگی پرچم ابو عمارا امیر حمزہؓ کے سر پر بلند ہوا۔ اس کے بعد بدر، احد، خندق اور خیبر کا مرحلہ آیا، جب اور صحابہؓ بھی اللہ کے رسولؐ کے علم بردار بنے۔

مدینے سے آٹھ میل دور ودان پر مسلمانوں نے قیام کیا پھر آٹھ میل آگے ابوا کی طرف بڑھے اسی لئے اسے غزوۂ ودان یا غزوۂ ابوا کہا جاتا ہے۔ ابوا ہی کے مقام پر سیدہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا مزار مبارک ہے۔

مسلمانوں نے مشرکین قریش کے جس قافلے کے بارے میں سنا تھا کہ اسلحہ خرید کر مدینے پر غارت ڈالنے آنے والا ہے وہ تو نہ ملا۔ لیکن اللہ کے رسول اپنے مجاہدوں کے ساتھ بنو ضمرہ کی بستی میں جا ٹھہرے۔ خود بنی ضمرہ کے بادشاہ مخشی بن عمرو الضمری نے بھی یہ سمجھ لیا کہ اب خیر اسی میں ہے کہ اسلامی مملکت کو تسلیم کر لیا جائے۔ اب تک مسلمانوں کے تین فوجی دستے مدینے کے اطراف چکر لگا چکے تھے۔ پہلی بار امیر حمزہ کی سرکردگی میں، دوسری بار عبیدہ بن حارث کی قیادت میں، اور تیسری بار سعد بن ابی وقاص کی سپہ سالاری میں! اب اللہ کے رسول بنفس نفیس نکلے تھے اس لئے دشمن قبیلے سمجھ گئے کہ مشرکین مکہ کے کہنے میں آ کر مسلمانوں سے چھیڑ مناسب نہیں۔

اس موقع پر عمرو الضمری نے ہی اسلامی مملکت کو تسلیم کیا اور غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ کر لیا۔ اس طرح مدینے کی مملکت سے ملی ہوئی ایک اور بفر اسٹیٹ یا حاجز مملکت سے اسلامی مملکت کی دشمن کے راست حملے سے تحفظ مل گیا۔ پہلا معاہدہ مجدی رئیس جہنہ سے سیدنا حضرت امیر حمزہؓ نے کیا تھا۔ اللہ کے رسول نے یوں خارجہ حکمت عملی کی ابتدا فرمائی۔

روایت: مولانا محمد اسحٰق سلیمی

ترتیب: محمد عمر فاروق

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

”اِس مُلک میں اسلام نہیں آئے گا“

مرشد احرار حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ صوفی عبدالحمید صاحب کی کوٹھی (لاہور) پر تشریف فرما تھے۔ میں ان دنوں مجلس احرار اسلام کے ترجمان روزنامہ نوائے وقت پاکستان کے دفتر میں کام کرتا تھا۔ اور حضرت کی خدمت میں بھی حاضری دیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت نے مجھ سے پوچھا:

”کیا کرتے ہو؟“

میں نے عرض کیا:

”روزنامہ نوائے پاکستان میں کام کرتا ہوں“

حضرت نے فرمایا:

”اچھا اخبار میں! پھر تو ہمیں خبریں بھی سنایا کرو“ چنانچہ حاضر ہو کر کبھی کبھار اہم خبریں سنایا کرتا۔ صوفی عبدالحمید صاحب مرحوم کی کوٹھی پر ہی ایک دفعہ (۱۹۵۷ء) حاضری کا موقع ملا۔ بعض مولویوں نے احرار رہنما مولانا عبدالرحمٰن میانوی مرحوم کی آزاد روی اور مزاج کے بارے میں حضرت کے کان بھرنے شروع کئے۔ میانوی صاحب بھی حضرت کے پیچھے کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت مولویوں کی باتیں سنتے رہے۔ بالآخر سر اٹھا کر فرمایا:

”ان لوگوں (احرار والوں) کے متعلق کوئی بات مت کیا کرو۔ میں ان لوگوں کے ساتھ فرشتے چلتے پھرتے دیکھ رہا ہوں“

حضرت کا یہ فرمانا تھا کہ ان ”آنریری مخبروں“ پر اوس پڑ گئی اور وہ حضرت کی خانقاہ میں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔

ایک اور نشست میں مولانا عبدالرحمٰن میانوی نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا:

”ہم نفاذِ اسلام کے لئے سر توڑ محنت کر رہے ہیں۔ آپ د... ئیں کہ اس ملک میں اسلام آجائے“

حضرت نے فرمایا:

”جہاں علماء کی داڑھیوں میں شراب انڈیلی جائے اور ان کے ... ے ننگے ... کئے جائیں۔ دین اور دین والوں کو رسوا کیا جائے۔ اس ملک میں اسلام نہیں آئے گا“۔

میانوی صاحب جلال میں آگئے اور عرض کیا:

”حضرت کیا ہم کام کرنا چھوڑ دیں؟“

حضرت مسکرائے اور فرمایا

”راجی! تمہارے ذمے کام ہے نتائج نہیں۔ تم محنت کرتے رہو، اللہ تمہیں اپنی محنت کا ضرور اجر دے گا۔

چودھری افضل حق کا ادبی مقام

ایک سیاسی ادیب

سیاسی زندگی اور ادبی زندگی میں بظاہر کوئی میل نہیں۔ ایک میں نعرۂ پیکار کی تڑخی ہے، دوسرے میں عروسی نغمے کا لوچ، لیکن قدرت بعض انسانوں میں یہ دونوں خصائص بیک وقت جمع کر دیتی ہے، اور ان کے میل سے ادب و سیاست کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے مولانا محمد علی مرحوم کی خطیبانہ دلکشی کا راز بھی ادب و انشاء ہی سے عبارت تھا چودھری افضل حق مرحوم ایک بلند پایہ سیاستدان تھے لیکن انہوں نے اپنے سیاسی نظریوں کو شعر و انشاء کے رنگ و روغن سے سنوارا۔ اور حق تو یہ ہے کہ وہ اپنے رنگ میں بے مثال تھے۔

چودھری افضل حق نہ صرف ایک اعلیٰ درجہ کے مفکر، بلند پایہ خطیب، زبردست مجاہد اور بہترین رہنمائے قوم تھے بلکہ وہ دنیائے ادب اردو کی بھی ممتاز شخصیت تھے۔

انہوں نے جس راہ میں بھی قدم رکھا آگے نظر آئے، ان کی تیز نظر جہاں تحریک ہائے قومی کے دور رس نتائج تک پہنچ جاتی تھی، حریف اس کے دیکھنے سے قاصر تھے ان کا نکتہ رس دماغ جن دینی، ملی اور اجتماعی کارناموں کا تماشا دیکھتا تھا، بہت سی آنکھیں ان کے دیکھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی تھیں، قومی، ملی، وطنی، اجتماعی، سیاسی کون سی تجویز اور عمل تھا جن کے لئے ان کا ناخن تدبیر آگے نہیں بڑھا! ملک و ملت کے لئے ایثار و قربانی، سرفروشی و جاں سپاری کی کونسی دعوت تھی، جس پر انہوں نے سب سے پہلے لبیک نہ کہا ہو۔ لیکن بایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ ادب و انشاء پردازی کے کشوروں میں بھی اسی طرح اس کا سکہ رواں تھا، نکتہ سنجی و سخن فہمی بھی اس کے طائر فکر کے دوش پر تھے اردو لٹریچر میں شاید ہی کوئی موضوع ہو جس پر ان کے قلم نے گوہر افشانی نہیں کی۔ افسانہ، ناول، ڈرامہ، سیرت

تاریخ، فلسفہ، مذہب اور سیاست واجتماعیت پر ان کی کتابیں دورِ حاضر کی بہترین تصنیفیں ہیں ہر کتاب ادبی فن اور افادی لحاظ سے ادب میں خاص مقام رکھتی ہے۔

وہ اپنی کتابوں میں اس چھوٹے اور انوکھے انداز سے اظہارِ خیال کرتے ہیں کہ قاری کو ذرّہ برابر بھی تکان نہیں محسوس ہوتی، بلکہ کتاب کا ہر صفحہ بجائے خود ایک افسانہ معلوم ہونے لگتا ہے، ان کے اسلوب نگارش میں بلا کا سحر اور اعجاز ہے، خشک سے خشک موضوع میں بھی وہ اپنے بے مثال اسلوب سے اس طرح جان ڈال دیتے ہیں کہ پڑھنے کے بعد طبیعت میں تر و تازگی اور شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے، ان کا شگفتہ قلم کبھی زعفران زار دل کی سیر کراتا ہے، تو کبھی غور و فکر کے اتھاہ سمندر میں پہنچا دیتا ہے، ان کی تحریر پڑھنے سے کبھی محویت کا عالم طاری ہوتا ہے تو کبھی طبیعت میں سیاسی بلندی پیدا ہوتی ہے، ان کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو اہلِ دنیا کے لئے مفید اور ان کی زندگی کی رہنمائی میں مددگار نہ ثابت ہو۔

چودھری صاحب کی تصنیف میں سب سے اہم کتاب زندگی ہے، زبان کی حلاوت، اندازِ بیان کی شیرینی اردو کے ٹکسالی محاورے، نکتہ بینی، آزادی، لطافت و شائستگی، اخلاق و انسانیت، خدمتِ خلق و اصلاحِ قوم جذبات و مشاھدات کی شاعرانہ نقاشی، کم ادبی کتابیں ہیں جن میں بیک وقت اس قدر خوبیاں پائی جائیں۔

جو لوگ لکھنے کے ہنر سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی بات کو اول درجہ کا انشاء پرداز لکھتا ہے تو کیا چیز ہو جاتی ہے، اور اسی چیز کو دوسرے اور تیسرے درجہ کے انشاء پرداز لکھتے ہیں، تو وہ کیا ہوتی ہے "زندگی" میں مسائل زندگی کو مصنف نے اس انداز سے پیش کیا ہے کہ بے اختیار مصنف کے حق میں کلمہ تحسین نکل جاتا ہے۔

روس کے مشہور انشاء پرداز میکسم گورکی نے ایک جگہ لکھا ہے:۔

ایک معمولی سی کتاب جس سے ہم اتنا مانوس ہو جاتے ہیں، دنیا کے طلسمی عجائبات میں سے ہے ایک لکھنے والا جسے ہم جانتے بھی نہیں، سینکڑوں میل کے فاصلہ پر بیٹھا ہوا بعض اوقات ایک ناقابلِ فہم زبان میں کاغذ پر کچھ نشان بنا دیتا ہے، جن کو ہم حروف کہتے ہیں، اور کتاب لکھنے والے سے دور اور ناواقف ہونے کے باوجود جب ہم اس کے لکھے ہوئے حروف پر نظر ڈالتے ہیں، تو پُراسرار طریق پر تمام الفاظ اور خیالات محسوسات اور محاکات کے معنیٰ ہم پر روشن ہو جاتے ہیں، ہم مناظرِ قدرت کی تعریف کرتے ہیں، مکالمہ کی دلآویزی، ہم آہنگی اور الفاظ کی موسیقی سے خوش ہوتے ہیں، کبھی آنسوؤں کے تار ہیں، کبھی غصہ میں بھرے ہوئے

کبھی خواب دیکھتے ہوئے اور کبھی مختلف رنگوں میں چھپے ہوئے صفحات پر ہم روشنی اور زندگی کو پا جاتے ہیں خواہ ہم اس سے پہلے سے مانوس ہوں یا نہ ہوں، غرض انسان کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں میں مستقل قوت اور دائمی آسودگی کے لحاظ سے ایک کتاب دنیا کا سب سے زیادہ پیچیدہ اور عظیم الشان معمہ ہے ۔

"زندگی" کو جس نے بھی پڑھا ہے، اس سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، ہر شخص کو اقرار ہے کہ "زندگی" قابلِ فہم اور ممکنات سے لبریز ہے اس کتاب کو پڑھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب انسان کو بالغ نظر بنا سکتی ہے ۔ جہادِ زندگی میں قوت و سکینت عطا کر سکتی ہے، زندگی کے مسافروں کے لئے بہترین رہنما ہو سکتی ہے اس کتاب کے متعلق مولانا ظفر علی خان مرحوم نے بالکل ٹھیک لکھا تھا ؎

کھل گیا ہر ذی بصیرت پر معمائے حیات
جب سے افضل حق نے لکھی ہے کتاب زندگی

چودھری صاحب نے کتاب کے دیباچہ میں جو لکھا ہے اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے :

"تمام مذاہب کا یکساں اور کارفرما اصول ہے کہ "جیسا کروگے ویسا بھروگے" یہی اصول اس کتاب کی اساس و بنیاد ہے، بے شک آتشیں شریعت لے کر آنے والے نے عمل اور پاداشِ عمل کی حقیقت کو حسین طریقوں سے انسانوں کے ذہن نشین کرایا، یہ کتاب اس کی صدائے بازگشت ہے زندگی خیر الناس من ینفع الناس کی تفسیر ہے، اور لوگوں میں زندگی کا شعور پیدا کرنے کی ایک سعی ہے عزیزوں اور ہمسایوں کے حقوق کی نگہداشت کرنے اور خدمتِ خلق کے جذبے کو بروئے کار لانے کی ایک کوشش اور کاوش ہے، میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے گوناگوں تجربوں کی بنا پر آنے والی نسلوں کے لئے میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا، اسے "زندگی" میں کہہ دیا ہے۔"

زندگی کا آغازِ بیان تو وہی ہے جو ابن عربی کی مشہور کتاب "فتوحات مکیہ" کا ہے جس میں عالم علوی کی سیر و سیاحت کے واقعات کو قلم بند کیا گیا ہے، اسی سے ملتا جلتا انداز علامہ اقبالؒ کی کتاب "جاوید نامہ" کا بھی ہے جس میں انہوں نے فلسفیانہ حقیقتوں کی نقاب کشائی کی ہے ۔ مشہور اطالوی شاعر ڈانٹے نے اپنی کتاب "ڈیوائن کامیڈی" میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے ۔ حقیقت میں یہ انداز بیان بہت ہی محدود اور مستحسن انداز بیان رہا ہے لیکن ان شخصیتوں کی نظر خالص حکیمانہ اور فلسفیانہ تھی اس لئے انہوں نے فلسفہ و حکمت کے دائرہ سے ہٹ

کہ ایک ادیب بھی کوئی ایسی راہ نہیں اختیار کی جس سے عوام بھی ان حقائق سے آشنا ہو سکیں، یہ کتابیں خواص کے لئے کتنی ہی اہمیت رکھتی ہوں، لیکن حقیقت میں عوام کے قلوب کو اپیل نہیں کر سکتیں، ضرورت تھی کہ اس انداز اور اسلوب میں ایک ایسی چیز پیش کی جائے جو اگر ایک طرف ادب کے معیار پر بھی پوری اترے اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ لوگوں کے قلوب کو بھی متاثر کر سکے اور قوم وملک کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو۔

اس کتاب میں جہاں زندگی کے مسائل اخلاق وانسانیت اور پاکیزگی حیات کی لطیف اور فطری ترجمانی موجود ہے، وہاں الفاظ ومحاورات کا انتہائی برمحل استعمال بھی کیا گیا ہے، اور زبان کی نزاکتوں کو شعر وادب میں سمو دیا گیا ہے۔ الفاظ کا تناسب اور آہنگ بھی کتاب کی روح بن گیا ہے، چودھری صاحب نے کتاب کے دیباچہ میں فرمایا ہے :-

"غمگین واسیر بلبل سے آزاد فضا میں اڑنے والے طائر کی طرح رنگیں نوائی کی توقع کون کر سکتا ہے مجھ جیسے جیل کے افسردہ خاطر پرندے سے کسی شگفتہ تحریر کی امید نہ کی جا سکتی تھی چنانچہ کتاب کو پسند خاطر پا کر بعض احباب نے میرے اس کتاب کے مصنف ہونے پر تعجب کا اظہار کیا میں اس تعریض کو بھی تعریف سمجھتا ہوں۔"

ذیل میں "زندگی" کے چند جستہ جستہ ٹکڑے درج .... کئے جاتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ مصنف کے قلم نے کس کس طرح گلکاریاں کی ہیں، اور الفاظ ومعانی کے کیسے کیسے نادر شاہکار چھوڑے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"حیا معصیت پسند انسان کے پاس ایک دو دفعہ ناصح ومشفق بن کر آتی ہے طریقے طریقے سے سمجھاتی ہے، اگر نہ مانے تو اس کی کوتاہ [redacted] پر آنسو بہاتی ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتی ہے۔

ایک جگہ کہتے ہیں :-

"فخر میں ریا ممکن ہے، محبت وطن میں شخصی اغراض کا شائبہ ہو سکتا ہے، حاجی کا مکار ہونا بعید از قیاس نہیں لیکن شہید ان تمام شبہات سے بالاتر ہے، اس سے بڑھ کر خدا کی مخلوق میں صابر وشاکر کون ہے؟"

ایک جگہ لکھتے ہیں :-

جب تک عبادت عمل کے ساتھ شامل نہ ہو، کوئی عبادت نہیں، سچ پوچھو تو قولی عبادت

بغیر عملی عبادت کے سرے ہی سے قابل ستائش نہیں عبادت سے بے شک روح میں طاقت پیدا ہوتی ہے مگر جس طرح کوئی پہلوان محض طاقت کے باعث نیکوکار اور پرہیزگار نہیں مانا جاسکتا اسی طرح عبادت گذار محض روح کی طاقت سے نیکوکار نہیں کہلا سکتا۔"

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

"جس خاوند کی زوجہ رفاقت نہ کرے وہ کوئی معرکے کا کام خوش اسلوبی سے سرانجام نہیں دے سکتا۔ جس مرد کی ٹانگ عورت پکڑ کر نیچے کھینچے، اس سے بام ترقی پر پہنچنے کی کیا اُمید کرے! عورت کا خمیر مایہ مٹی سے گو مرد ہی کی طرح اٹھایا گیا ہے اگر عناصر کی ترکیب میں وہ مرد سے جُدا معلوم ہوتی ہے، وہ نار اور نور دونوں کا ظرف معجون ہے اس میں خاکستر کر دینے کی خاصیت بھی ہے اور تاریکیوں کو دور کر دینے کی صلاحیت بھی، اسکی کا نا پھوسی یا تو شیطان سے ہے یا فرشتوں سے جب تک یہ دو متضاد وصف جھجک اور شرم کے پردوں میں مستور ہیں، وہ عارضی طور پر انسان ہے، ورنہ دونوں میں سے ایک اگر علوی سرشت بیدار ہے تو زہے قسمت، دونوں مستقل خصلتیں خوابیدہ ہوں، تو بھی خیر ہے، انسان کا انسان سے نباہ آسان ہے، میاں بیوی کی نبھ جائے گی، اگر سرشت میں سفلی عناصر کا غلبہ ہے تو پھر خدا کا دامن بندہ نوازنہ ہو تو بیچارے مرد کو کہاں پناہ ہے، شیطان صرف لاحول سن کر بھاگ جاتا ہے، مگر یہ بلا تو دعائے سریانی سے بھی نہیں ٹلتی۔

ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"جس مقام پر ماں کی معیت ختم ہوتی ہے وہاں سے استاد کی معیت کا آغاز ہوتا ہے جہالت کے زمانے میں دہقان کے گھر اور جاہل ماں کی گود سے بچے کو حاصل کرنا سمندر کی گہرائیوں سے موتی نکال لانے سے بھی مشکل ہے۔"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

"حالات پر شاکر رہنے کا اصول ترقی کے راستے میں سدِ سکندری اور قوموں کے لئے سکرات کی حرکت کا حکم رکھتا ہے"

وہی ملک آزاد اور وہی قومیں با اقبال رہتی ہیں جن کے بچے ان تھک قربانی کا حوصلہ رکھتے ہوں، پانی جب رُک جاتا ہے، تو اس میں عفونت پیدا ہو جاتی ہے، قربانی کا سرچشمہ خون جب

روانی سے رک جاتا ہے ، تو قوموں کی عظمت خاک میں مٹ جاتی ہے ، شکستوں کے بعد فتح ہوتی ہے "
" جو لوگ اپنی بے احتیاطیوں ، غفلتوں اور غلط کاریوں سے جوانی میں بڑھاپے کو دعوت دیتے ہیں ، وہ جنت کے مستحق نہیں ہوسکتے ۔ اگر یہ لوگ اپنی عادتیں لے کر بہشت میں پہنچیں تو خدا جانے کیا قیامت برپا کردیں ، وہ نعمتہائے گوناگوں جن کو تصور کی زبان نے نہیں چکھا اور تخیل کی نگاہ نے نہیں دیکھا ۔ اگر دنیا میں ان شکم پرستوں کے ہاتھ میں آجائیں تو نامعلوم کتنا کھا جائیں جنہیں دنیا میں حسن صورت اور خوبی نہ بھائی وہ اپنی حور وشں بی بیوں کے پاک جمال اور جنت کے غلمان خوش آواز سے کیا حظ اٹھائیں گے ۔"

ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

" اے حسین عورت کی آنکھوں کے آنسوؤ ! تم سحر سامری سے زیادہ پراثر ہو ۔ وہ بہادر جو سیل حوادث سے منہ نہیں موڑتے تمہارے بہاؤ میں تنکوں کی طرح بہتے نظر آتے ہیں ، تمہارے سکون میں طوفان ہے ، خاموشیوں میں ہنگامے ہیں بظاہر تم بے حقیقت سے نظر آتے ہو ۔ مگر دنیا کے ہزاروں انقلاب تمہارے شرمندۂ احسان ہیں ، ہر قاعدے کی استثنا ہے ، ہر درد کی دوا ہے ، مگر تمہارے منتر کا کوئی جوڑ نہیں ، اور تمہارے جادو کا کوئی توڑ نہیں ، سب حربے جواب دے دیتے ہیں ، لیکن اے حسین عورت کے آنسوؤ ! تم ہی وہ ہتھیار ہو جن کا وار کبھی اوچھا نہیں پڑتا ، روٹھوں کو منانے کے لئے بگڑوں کو بنانے کے لئے جہاں عقل تدبیر سے عاجز آجائے ، تم ہی کام آتے ہو تاریخ عالم کا وہ پہلا حادثہ جسے ہبوط آدم سے تعبیر کیا جاتا ہے ، اے حوا کی بیٹی ! صرف تجھ ہی کو معلوم ہے کہ کیوں وقوع پذیر ہوا ، قدوسیوں کا معلم جب آدم کے پھسلانے میں تمام ترغیب وتحریص ضائع کرچکا تو آدم کو خدا کی نافرمانیوں پر آمادہ کرنے والی حسین حوا کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے سوا اور کیا چیز تھی ؟

اسی طرح مناظر کی عکاسی میں انہیں ید طولیٰ حاصل ہے ملاحظہ ہو ، لکھتے ہیں :۔

" جب تیسری برسات کا روح افزا منظر شروع ہوا تو ایک دن جب جنت کی ٹھنڈی ہوائیں چشمہ حیات سے جاں پروری کا سامان کرکے آرہی تھیں ، کالی گھٹائیں کوثر وتسنیم سے پیاس بجھا کر کسی مست شباب کی طرح جھومتی اٹھیں اور روئے عالم پر چھا گئیں ، اس مستانہ موسم میں

مور سرشار ہو کر ناچ رہے تھے کوئل بے تاب ہو کر کوک رہی تھی ۔ میخواروں کی بن آئی ، ہَوا گاتی تھی ، شاخیں جھومتی تھیں ، پتے تالیاں بجاتے تھے ، عشرت موسم کی مناسبت سے دھانی جوڑا پہنے باغ میں نکلی ، وہ غرورِ حسن سے اٹھلاتی میری طرف بڑھی ۔ قریب آکر کہا کہ آؤ جھولا جھولیں باغ کے شمال مغربی حصے میں پیپل کے ایک مضبوط تنے کے ساتھ سبز و سرخ ریشم کے موٹے ڈورے لٹک رہے تھے دو نوخیز خادمائیں جھولا جھلانے کے لئے ہمارے انتظار میں کھڑی تھیں ہم دونوں جھولے میں بیٹھ گئے ، جھولا لحظہ بہ لحظہ بلند ہونے لگا ، بلندی کی ہوائیں ، اودی گھٹائیں ، یونہی طبیعت پر کیا غضب نہیں ڈھاتیں لیکن جب عشرت جہاں جیسی محبوبہ بھی ہمکنار ہو تو کون ہے جو انا الموجود لاغیری کا دعویٰ نہ کر بیٹھے ۔

تشبیہات و استعارات بھی اکثر کثرت سے استعمال کرتے ہیں ، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں :

اس کے باغِ حسن میں جوانی کا پھول مرجھا چکا تھا ، اور وہ ایک تسبیح کی طرح سوکھ کر کانٹا ہو رہی تھی ، تاہم آنکھوں میں عصمت کا روحانی نور بدستور جھلک رہا تھا جس نے دل کے تاریک تہ خانہ کو پھر سے روشن کر دیا ، اپنے مجرمانہ تغافل اور اس کی شوہر پرستی کے خیال نے مجھ کا سر اس کے پاؤں پر رکھ دینے پر مجبور کر دیا ۔ میرے سر جھکانے پر اس نے ہزارہا استغفار پڑھی اور پھر سجدہ شکر ادا کیا کہ اللہ نے پھر ہمیں ملا دیا "

یہ تو چند نمونے درج کئے گئے ہیں ورنہ پوری کتاب اسی طرح کے نوادر سے لبریز ہے ، اور جگہ جگہ ان کے قلم سے ایسے موتی ٹپک گئے ہیں ، جنہیں پڑھ کر وجدان و ذوق دیر تک لطف اندوز ہوتا رہتا ہے ۔

چودھری صاحب کی کتاب " محبوبِ خدا " بھی گوناگوں خوبیوں کی بنا پر اردو ادب میں خاص امتیازی شان رکھتی ہے ، اس موضوع پر دنیا کی شائد ہی کوئی زبان ہو جس میں کتابیں نہ لکھی گئی ہوں ۔ لیکن چودھری صاحب کی کتاب کے اندر جامعیت اور اختصار کے ساتھ ساتھ پیرایہ بیان کی دل کشی نے چار چاند لگا دیئے ہیں ، مثال کے طور پر اس کتاب کے اندر ٹکڑا درج کیا جاتا ہے ، جہاں " ولادتِ باسعادت " پر آپ کے گوہر بار قلم نے موتی بکھیرے ہیں :

" وجدان سے چودہ سو سال کی الٹی زقند لگا کر پہلے زمانہ کے واقعات کو تخیل کی نظر سے دیکھا ، دنیا ـــــنیا بداعمالیوں سے ظلمت کدہ بنی ہوئی تھی ، کفر کی کالی گھٹا ہر طرف تُلی کھڑی تھیں ، عصیاں کی بجلیاں آسمان

پر کر ندآتی تھیں انکی نفس کی طغیانیوں میں گھری ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی، وہ راہ سے بھٹکی ہوئی آس اور یاس کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ کہیں روشنی کی کرن پھوٹے اور سلامتی کی راہ مل جائے، وہ کفر کے اندھیرے میں ڈرتے ڈرتے قدم اٹھا رہی تھی، دیکھو وہ چند قدم چل کر رگ گئی، سرِ راہ دو زانو ہو کر عالمِ یاس میں سینے پر ہاتھ باندھے گردن جھکائے معروفِ دُعا ہوگئی! اور نہایت عجز و الحاح سے بولی! اے نور ظلمت کے پروردگار! میں غریب اس پرہول اندھیرے میں کب تک بھٹکتی پھروں، اے آقا اپنے کرم سے اس نور کا ظہور کر جو ظلمت کدہ دہر کو منور کر دے، وہ نور پیدا کر جو بے بصر کو طاقت دید بخشے، اس نے آمین آمین کہہ کر سر جھکایا، یک بیک اس کے دل میں خوشی کی لہر اٹھی، اور اس کے رُخسار نو شگفتہ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح شاداب نظر آنے لگے، کیونکہ اسے قبولیت دعا کا القا ہو رہا تھا، پھر اس نے آہستہ آہستہ ستاروں سے زیادہ روشن آنکھیں کھولیں تو کفر کی گھٹائیں چھٹ رہی تھیں افقِ مشرق پر محبت کی کہانی سے زیادہ دلکش پو پھٹ رہی تھی آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

۲۰ راپریل ۵۷۱ء مطابق ۹ ربیع الاوّل دوشنبہ کی مبارک صبح کو قدسی آسمان پر جگہ جگہ سرگوشیوں میں معروف تھے کہ آج دُعائے خلیل اور نوید مسیحا مجسم بن کر دنیا میں ظاہر ہوگی، حوریں جنت میں تزئینِ حسن کئے بیٹھی تھیں کہ آج صبح کائنات کا غادہ نمودار ہوگا۔ جس کے عالمِ وجود میں آتے ہی شرک اور کفر کی ظلمت کافور ہو جائے گی۔ لوگ اپنے پروردگار کو پہچاننے لگیں گے، نسل و خون کے امتیاز کی لعنت مٹ جائے گی۔ غلام اور آقا ایک ہو جائیں گے۔ شبنم نے عالمِ ملکوت کی ان باتوں کو سنا اور یہ پیامِ مسرت کرۂ ارضی کے کانوں تک پہنچا دیا۔ وہ خوشی سے کھِل گئے، کلیاں مسکرانے لگیں، دن کے دس بجے بی بی آمنہ کے بطن سے وہ لعل جہاں تاب پیدا ہوا۔ جس کے لئے قعرِ مذلت میں گری ہوئی انسانیت کو اٹھانا غریب اور غلام کو بڑھانا، عورت کو مرد کے برابر کر دکھانا ازل سے مقدر ہو چکا تھا۔

وہ نومولود زچہ خانہ میں مسکرایا اس کائناتِ ارضی کا ذکر کیا ہے فضائے ملکوت میں بھی مسرت کی لہر دوڑ گئی کیونکہ دنیا کو سچی خوشی کا سبق اسی سے ملنے والا تھا، کفر سجدہ میں گر گیا، ادیان باطلہ کی نبضیں چھوٹ گئیں عبد اللہ کا بیٹا، آمنہ کا جایا دنیا میں کیا آیا دین و دنیا پر مستقل ترقی کے دروازے کھل گئے، کائنات کی خوابیدہ قوتیں بیدار ہو کر معروفِ عمل ہوگئیں انسانیت کی تعمیر اخوت و مساوات کی خوشگوار بنیاد وں پر شروع ہوئی، متلاشیانِ حق کو ایسا عرفانِ الٰہی عطا ہوا کہ ماسوی اللہ کا خوف خود بخود جاتا رہا۔

اسی طرح آپ کی تصنیفات میں "میرا افسانہ" بھی ایک اچھوتی تصنیف ہے، جس میں مسائل زندگی کو اتنے شگفتہ اور ظریفانہ پیرایہ میں پیش کیا ہے کہ ان کی کہانی خود اپنی زبانی مشاہیر کی زندگیوں سے زیادہ دلچسپ بن گئی ہے اس کے علاوہ فکر کا عمق اور نظر کی گہرائی بھی موجود ہے، جس سے لکھنے والے کی عظمت کا سکہ دل پر بیٹھتا جاتا ہے، اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو اس کے اقتباسات بھی ہدیۂ ناظرین کئے جاتے۔

اسی طرح "آزادیٔ ہند" کے رنگین افسانہ میں بالکل انوکھے اور نرالے انداز میں ملکی تحریکات پر اظہارِ خیال کیا ہے، وطن کی آزادی اور اہلِ وطن کی بھلائی افسانہ کے انداز میں بیان کر کے باغ میں بہار پیدا کر دی ہے، یہ افسانہ خود ہی دل کی گہرائیوں میں اترتا جاتا ہے۔

"شعور" اور "دیہاتی رومان" بھی بے حد دلچسپ کتابیں ہیں، دریائے لطافت اور موجِ تبسم جگہ جگہ اٹھکھیلیاں کرتی ہیں، اور اگر کتاب شروع کیجئے تو جب ختم نہ کر لی جائے، طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ شروع سے آخر تک ایک ہی جوش اور سرمستی موجود ہے۔

"تاریخ احرار"، "اچھوت اور پاکستان"، "اشتراکیت اور اسلام" بھی بہت ہی مفید اور دلچسپ کتابیں ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد چودھری صاحب کی وسیع النظری اور حکیمانہ طرزِ فکر کی داد دینی پڑتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں جو مرحوم کے کمالاتِ سیاسی کے ساتھ کمالاتِ ادب کی زندہ جاوید یادگار ہیں اور یہ تصنیفات اس قابل ہیں کہ ہر ہندوستانی عموماً اور ہر مسلمان خصوصیت کے ساتھ اس کا مطالعہ کرے۔

امیرِ شریعت نمبر

قارئین کرام! یقیناً آپ "امیرِ شریعت نمبر" کے انتظار میں ہوں گے۔ بہت سے احباب نے شدت انتظار سے بے قابو ہو کر ہمیں خطوط بھی لکھے ہیں۔ اس وقت نمبر طباعت کے مراحل میں داخل ہو چکا ہے۔
اِنْ شاءَ اللہ ۱۵ر جنوری تک یہ کام مکمل ہو گا اور ۲۰ر جنوری کے بعد قارئین کو ارسال کر دیا جائے گا۔
اس غیر ضروری تاخیر پر ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ (مُدیر)

تحریک آزادی کے نامور رہنما اور صاحبِ طرز ادیب
مفکر احرار چودھری افضل حق کی خود نوشت سوانح

میرا افسانہ

چالیس برس بعد دوبارہ شائع ہو گئی ہے

• میرا افسانہ • ایک عہد اور ایک زمانے کی سوانح • آزادی کے مجاہدوں کا تذکرہ

• جنہوں نے ——————

• انگریز سامراج اور اس کے حاشیہ نشین جاگیرداروں کے مظالم، محلاتی سازشوں اور جبر و استبداد کی آہنی فصیلوں کو اپنی جہد مسلسل سے کرچی کرچی کر دیا

کمپیوٹر کتابت، اعلیٰ طباعت، خوبصورت جلد صفحات ۲۰۸ قیمت ۱۱۰ روپے

عظیم مجاہد آزادی، مفکرِ احرار چودھری افضل حق کے تین ادبی شاہکار

* معشوقۂ پنجاب (قصہ ہیر رانجھا۔ تنقید)
* شعور (ایک اصلاحی ڈرامہ)
* دیہاتی رومان (افسانوی اصلاحی کہانی)

تینوں کتابوں کا مجموعہ

شعور

—————— کے عنوان سے یکجا شائع ہو گیا ہے

صفحات ۱۴۴ قیمت ۲۵ روپے

بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

اسلام کے ناموسِ ثبوت، تحریکِ آزادی کے عظیم مجاہد فدائے احرار

مولانا محمد گل شیر شہید

رحمۃ اللہ علیہ کے

- سوانح و افکار ——— احوال و آثار
- سیرت و کردار ● بے مثال جدوجہد ● ولادت تا شہادت

جوان محقق **محمد عمر فاروق** کے قلم سے ایک تاریخی دستاویز

مقدمہ نگار: خواجہ خان محمد مدظلہ ● ڈاکٹر انور سدید
مولانا سید عطاء المحسن بخاری
مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی۔

فلیپ نگار: احمد ندیم قاسمی ● مولانا محمد اسحٰق بھٹی

نایاب اخباری و سرکاری ریکارڈ سے ماخوذ دستاویزات۔

- مکاتیب و عکس تحریر ● نادر و نایاب تصاویر
- تاریخی منظومات ● نامور شخصیات کا اعترافِ عظمت
- انگریزوں پشتینی وفاداروں کی خدمات
- اعزازات، خطابات اور زمینوں کی تفصیلات
- مجاہدین آزادی کی خونچکاں سرگزشت، تاریخ کے سربستہ راز اور ان کہی کہانیاں ● پہلی مرتبہ منظرِ عام پر
- سینکڑوں عنوانات کے گرد گھومتی کہانی

جب برطانوی سامراج کا آفتاب نصف النہار پر تھا

- انقلاب زندہ باد کہنے سے انگریز اور اس کے جانشینوں کی ہڈیاں انکی قبروں میں چٹخنے لگتی تھیں،
- راست بازوں کے لئے اندھا قانون اور بے خوف انسانوں کے لئے کوڑھی انصاف تھا،
- کاسہ لیسان سرمدی اپنے سینوں پر تمغہ ہائے وفاداری لٹکائے پھرتے تھے،
- فدایانِ حریت کے لئے حلقہ ہائے زنجیر تھے یا درہ ہائے تعزیر،
- طلبگارانِ آزادی کی بے سروسامانی پر فرزندانِ سلطنت کے وحشیانہ قہقہے گونجتے تھے،
- احرار رضاکاروں کے بدن کا گوشت روئی کے گالوں کی طرح اڑتا تھا،
- پیکرانِ عفت کے چہروں پر طمانچوں کی مہریں ثبت تھیں،

یہ انہی دنوں کی سرگزشت ہے

- مؤلف کی دس سالہ محنت کا نچوڑ
- منفرد اندازِ تحریر میں

- صفحات ۴۰۴ ● کمپیوٹر کتابت ● خوبصورت سرورق ● مجلد ● اعلیٰ طباعت
- قیمت ۱۰۰ روپے پیشگی رقم ارسال کرنیوالوں کے لئے خصوصی رعایت پر ۸۵ روپے میں

قریبی بکسٹال یا ہم سے طلب فرمائیں

بخاری اکیڈمی

داربنی ہاشم۔ مہربان کالونی ملتان پاکستان